دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

دارالعلوم

جلد: ۱۰۹	شوال المکرم - ذی القعدہ ۱۴۴۶ھ مطابق اپریل - مئی ۲۰۲۵ء	شمارہ: ۴-۵

نگراں	مدیر
حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند	مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری استاذ دارالعلوم دیوبند

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند - ۲۴۷۵۵۴ یوپی

Tel. : 01336-222429 Fax : 01336-222768
Web : http://www.darululoom-deoband.com
https://darululoom-deoband.com/urdumagazine
E-mail: info@darululoom-deoband.com

DARUL ULOOM Monthly (Urdu)
R. N. I. No.: 2133/57
Vol. No. 109, Issue No. 4-5, April-May 2025 अप्रैल–मई **2025**
Published by Maulana Abul-Qasim Numani
Printed by Maulana Abul-Qasim Numani
Editor :- Maulana Mohammad Salman Bijnori
On Behalf of Darul Uloom Grush.
Place of Publication :- Deoband, Saharanpur, U.P.
Printed at: Mukhtar Printing Press Mohalla Bar Ziyaul Haq
Talehari Chungi. Deoband, Saharanpur. U.P.

Rs. 50/=	Annual Subscription Rs. 500/=

Annual by Regd Post. Rs. 700/=

سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ -/۱۵۰۰ روپے
بنگلہ دیش سے سالانہ -/۸۰۰ روپے، پاکستان سے ہندوستانی رقم -/۸۰۰ روپے

فہرست مضامین

حرف آغاز	دو بڑے خادمانِ دین کی رحلت	محمد سلمان بجنوری	۳
تذکرہ حضرت علامہ قمر الدین احمدؒ	حضرت مولانا قمر الدین احمد گورکھپوریؒ	مولانا محمد ساجد قاسمی	۵
	روشن تھا جس قمر سے آسمانِ دیوبند	مولانا محمد حبان بیگ قاسمی	۱۱
	استاذ الاساتذہ علامہ قمر الدین، خصوصیات وخدمات	مولانا خورشید عالم داؤد قاسمی	۱۸
	خوشا قسمت کہ قمر تیرا زمانہ پایا	مولانا محمد منظور امین قاسمی	۲۲
علمی مضامین	حدیث کی حجیت: قرآن کے بعد مصدرِ ہدایت	مولانا محمد راشد شفیع	۳۶
//	سلف صالحین کا منہج اختلاف	مولانا محمد نعمان خلیل	۴۲
//	جبل ثور کی تاریخی وشرعی حیثیت	مفتی محمد ارشاد اشرفی	۴۸
تذکار صحابہ	حضرت ام سُلیم رضی اللہ عنہا: احوال وواقعات	مولانا عصمت اللہ نظامانی	۵۲
اصلاحی مضامین	جماعت کے اہتمام میں کوتاہی کا مزاج	مولانا میرزاہد مکھیالوی	۶۶
//	قرآن کریم یاد کرکے بھلا دینا	مولانا عبید الرحمٰن مردان	۷۳
//	اللہ تعالیٰ کی داد ودہش اور بندے کی بے رغبتی	مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی	۸۲
//	استاذ کا مقام	مولانا غلام اکبر لاشاری	۸۷
//	عورت فتنوں کی زد میں	جناب سلیم شاکر چنئی	۹۳
//	شادی میں فضول خرچی غریب کے لیے عذاب	مفتی احمد عبید اللہ یاسر قاسمی	۱۰۵
رہنمائی	جنرل نالج: اہمیت وضرورت	مفتی سیّد آصف قاسمی	۱۰۹

ختم خریداری کی اطلاع

- ○ یہاں پر اگر سرخ نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔
- ● ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- ● ایک سال کے لیے اگر بذریعہ رجسٹری طلب فرمائیں تو =/700 روانہ فرمائیں۔
- ● ہندوستان وپاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرف آغاز

دو بڑے خادمانِ دین کی رحلت

محمد سلمان بجنوری

(۱) شیخ الحدیث حضرت مولانا سیّد محمد عاقل سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ

۲۹ رشوال ۱۴۴۶ھ مطابق ۲۸ راپریل ۲۰۲۵ء بروز پیر، جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے شیخ الحدیث وناظم اعلیٰ اور دارالعلوم دیوبند کے رکن شوریٰ حضرت مولانا سیّد محمد عاقل سہارنپوری رحلت فرما گئے، **إنا للّٰه وإنا إليه راجعون.**

حضرت مولانا سیّد محمد عاقلؒ کی وفات، مظاہر علوم سہارنپور جیسے عظیم وقدیم ادارے کی تاریخ میں ایک عہد کا خاتمہ ہے۔ان کی شکل میں مظاہر علوم کی مسند حدیث سے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی نوراللہ مرقدہ کے تلامذہ اور تربیت یافتہ محدثین میں سے آخری شخصیت رخصت ہوگئی اور صرف مظاہر علوم ہی نہیں ہندوستان کی سطح پر اس وقت وہ اپنی خدماتِ حدیث کے اعتبار سے بڑے امتیاز کے حامل تھے،اس لیے ان کے جانے سے خدمتِ حدیث کے میدان میں بڑا خلا پیدا ہوگیا ہے،جس کا پُر ہونا آسان نہیں ہے۔

حضرت مولانا سیّد محمد عاقل صاحب شیخ العرب والعجم حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے داماد،تلمیذ رشید اور ان کی تربیت کا عکس جمیل تھے اور حضرت شیخ کے علمی کاموں میں رفاقت وتعاون اور اُن سے طویل استفادہ کی بناء پر اُن کے لیے **طويل الملازمة** (اپنے شیخ کے ساتھ لمبی صحبت رکھنے والے شاگرد) کا لفظ پوری طرح صادق آتا ہے۔اسی کی برکت تھی کہ انھوں نے ساٹھ سال سے زیادہ درس حدیث دیا جس میں نصف صدی ابوداؤد شریف اور آٹھ سال بخاری شریف کی تدریس شامل ہے،اس کے علاوہ تصنیف وتالیف کی راہ سے انھوں نے حضرت شیخ رحمہ اللہ اور اُن کے واسطے سے امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کے علوم وافادات کی تشریح وتسہیل اور حفاظت کی خدمت انجام دی،جس کا نمونہ "**الحل المفهم**" اور "**الفيض السمائي**" وغیرہ اور "**الابواب والتراجم**" اور "**لامع الدراري**" وغیرہ میں معاونت ہے۔اس کے علاوہ اُن کی مقبول ترین کتاب "**الدر المنضود**" شرح "**أبي داؤد**"، اُن کے طویل تدریسی تجربہ اور حدیثی مہارت کا شاہکار ہے، دیگر بہت سی اور بھی تحریری

خدمات انھوں نے انجام دی ہیں، اسی کے ساتھ وہ سلوک وتصوف میں بھی حضرت شیخ قدس سرہ کے خلیفہ تھے؛ اس لیے تزکیہ وتربیت کی راہ سے بھی ان کا فیض جاری تھا، مجموعی اعتبار سے ایک نہایت بافیض اور اوصاف حمیدہ کی حامل شخصیت تھی، جن کا جانا پوری جماعت دیوبند کے لیے صدمہ کا باعث ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ خاص رحمت کا معاملہ فرمائے اور امت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔

(۲) خادم القرآن حضرت مولانا غلام محمد وستانوی رحمہ اللہ تعالیٰ

ابھی حضرت مولانا سیّد محمد عاقل رحمہ اللہ کا غم تازہ ہی تھا کہ ملت اسلامیہ ہند یہ ایک اور عظیم حادثہ سے دوچار ہوئی کہ ۵؍ذیقعدہ ۱۴۴۶ھ مطابق ۴؍مئی ۲۰۲۵ء اتوار کو، خادم القرآن حضرت مولانا غلام محمد وستانوی رحمہ اللہ رحلت فرما گئے۔ ''إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون''.

حضرت مولانا غلام محمد وستانوی نوراللہ مرقدہ اس وقت اپنی ہمہ گیر خدمات کے اعتبار سے ملت اسلامیہ کی اہم ترین شخصیات میں ممتاز مقام کے مالک تھے، انھوں نے دینی وعصری تعلیم کے میدان میں جو خدمات انجام دی ہیں ان کی بناء پر اُن کی شخصیت ملکی وبین الاقوامی سطح پر متعارف ومقبول تھی۔ ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ انھوں نے اتنا بڑا نظام اپنی ذاتی محنت سے کھڑا کیا اور اس کو اپنے ذاتی مفاد کا ذریعہ نہیں بنایا۔

حضرت مولانا وستانوی رحمہ اللہ، فلاح دارین ترکیسر اور مظاہر علوم سہارنپور کے فاضل تھے اور سلوک وتصوف میں جنید وقت حضرت مولانا قاری صدیق احمد باندوی نوراللہ مرقدہ کے تربیت یافتہ اور مجاز بیعت تھے۔ ابتدائی چند سال تدریسی خدمت انجام دینے کے بعد ۱۹۷۹ء میں انھوں نے جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا، کی بنیاد ڈالی اور اس کے دائرے کو وسیع کرتے ہوئے اس کے زیر سایہ عصری تعلیم کے ادارے، اسکول کالج اور میڈیکل کالج وغیرہ قائم کیے۔ ساتھ ہی مختلف علاقوں میں جامعہ کی شاخیں قائم کیں اور ملک کے بے شمار مدارس کے تعاون کا سلسلہ جاری کیا۔ اسی طرح قرآن کریم کی تعلیم اور تجوید وقرارت کے میدان میں معیارِ تعلیم بلند کرنے میں انھوں نے بڑا اہم کردار ادا کیا جس کا فیض پورے ملک میں پہنچا، اس طرح وہ خدمت دین وملت کے باب میں ایک سنہرے باب کا عنوان بن گئے۔

حضرت مولانا وستانوی رحمہ اللہ ۱۹۹۸ء سے دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے موقر ممبر بھی تھے، اسی درمیان میں ۲۰۱۱ء میں چند ماہ کے لیے منصب اہتمام پر بھی فائز رہے؛ لیکن اس منصب کے نہ رہنے پر بھی دارالعلوم دیوبند کے معاملات سے اُن کی دلچسپی پوری طرح برقرار رہی اور وہ اپنا کردار ادا کرتے رہے۔ اطمینان کی بات یہ ہے کہ وہ اپنے کاموں کے لیے اپنے صاحبزادوں کی شکل میں اچھے جانشین چھوڑ کر گئے ہیں، اللہ رب العزت اُن کی خدمات قبول فرمائے اور اُن کے کاموں کی بھرپور حفاظت فرمائے!

* * *

حضرت مولانا قمرالدین احمد گورکھپوریؒ

اسلاف کا نمونہ اور اکابر کی یادوں کے امین

از: مولانا محمد ساجد قاسمی
استاذ تفسیر وادب دارالعلوم دیوبند

ہم وابستگان دارالعلوم مورخہ 22/ دسمبر 2024ء (20/ جمادی الثانیہ 1446ھ) کو استاذ الاساتذہ حضرت مولانا قمرالدین احمد گورکھپوری کے سانحۂ وفات کے صدمے سے دوچار ہوئے، جو تقریبا دوسال کی بیماری ومعذوری کے بعد اپنے مالک حقیقی سے جاملے۔ إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون۔

تیز رفتار ذرائع ابلاغ سے آپ کی وفات کی خبر بہت تیزی سے ملک وبیرون ملک پھیل گئی، دیوبند کے قریبی اضلاع سے آپ کے تلامذہ اور علماء کی آمد کا تانتا بندھ گیا۔ظہر کے بعد احاطۂ مولسری میں نماز جنازہ ادا کی گئی، حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب دامت برکاتہم نے نماز پڑھائی اور مزار قاسمی میں تدفین عمل میں آئی۔

پچھلے چند سالوں میں احاطۂ دارالعلوم سے اکابر اساتذہ کا ایک قافلہ رخصت ہوا، جو علم و معرفت، فضل وکمال، تقوی وطہارت، فراست وذہانت، اصابت رائے ودوراندیشی کے لحاظ سے اپنی مثال آپ تھے۔حضرت مولانا قمرالدین صاحب بھی انھیں صفات وکمالات کے حامل تھے جو ہم سے جدا ہوکر اسی قافلے سے جاملے۔

آئے عشاق گئے وعدۂ فردا لے کر　　اب انھیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر

ولادت وتعلیم

آپ مشرقی یوپی کے قصبہ بڑہل گنج ضلع گورکھپور میں 28/فروری 1938ء کو پیدا ہوئے۔ تعلیم کا آغاز اپنے وطن سے کیا، ابتدائی اور متوسطات کی تعلیم مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور اعظم گڑھ اور

دارالعلوم مئو میں حاصل کی۔ بعد ازاں آپ 1954ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور 1957ء میں دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ اور علامہ ابراہیم بلیاویؒ قابل ذکر ہیں۔ حضرت علامہ سے آپ کو خصوصی تعلق تھا، اس لیے آپ ان کا بکثرت تذکرہ کرتے تھے۔

خدمات ومناصب

فراغت کے بعد آپ نے مدرسہ عبدالرب دہلی سے تدریسی سلسلے کا آغاز کیا۔ پھر 1386ھ (1966ء) میں مادر علمی دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت مدرس مقرر ہوئے۔ مختلف درجات کی کتابیں زیر درس رہیں۔ ترقی کرتے ہوئے درجۂ علیا میں پہنچے، علیا میں آنے کے بعد دورۂ حدیث میں مسلم شریف جلد اول، نسائی شریف، بخاری شریف (جلد ثانی منتخب ابواب) بیضاوی شریف (سورۂ بقرہ) درجۂ ہفتم میں، بیضاوی شریف اور تفسیر ابن کثیر (سورۂ صفت) تکمیل تفسیر میں آپ سے متعلق رہیں۔

دارالعلوم میں آپ کی تدریس کا دورانیہ تقریباً 60 سال ہے، آپ کا درس عام فہم اور مقبول ہوتا تھا، دوران درس بزرگوں کے اقوال و واقعات بکثرت سناتے تھے۔ اور موقع کی مناسبت سے کبھی علامہ اقبال کے اشعار بھی پڑھتے تھے۔ آپ کے گفتار واطوار پر اصلاح وتربیت کا رنگ غالب تھا۔

آپ دارالعلوم میں ناظم دارالاقامہ اور ناظم تعلیمات کے عہدے پر بھی فائز رہے۔ میں نے آپ کی نظامت تعلیمات کے زمانے میں ہی تعلیم حاصل کی۔

بیعت وارشاد

پہلے آپ نے حضرت مولانا شاہ وصی اللہ الہ آبادیؒ سے اصلاحی تعلق قائم کیا، ان کی وفات کے بعد محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق حقی ہردوئی سے رجوع کیا اور اجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے، حضرت مولانا ہردوئی آپ کا بہت خیال رکھتے تھے۔ آپ بھی حضرت مولانا کے زہد وتقوی اور اصلاح وتربیت کے بہت سے واقعات بیان کرتے تھے۔

ایک بار آپ نے فرمایا کہ حضرت مولانا ہردوئی لندن گئے، وہاں آپ کے پروگرام ہوئے، وہاں کے لوگوں نے بتایا کہ ہم نے حضرت مولانا کو یہاں آنے والے دوسرے حضرات سے یکسر مختلف پایا، لوگ آپ کے زہد واستغناء سے بہت متاثر ہوئے۔

نیز آپ نے بتلایا کہ حضرت مولانا ہردوئی کا ممبئی میں علاج ہوا، علاج ومعالجے میں ایک بڑی

رقم خرچ ہوئی۔ کسی صاحب خیر نے اسے اپنی طرف سے ادا کرنے کی پیش کش کی، آپ نے ان کی پیش کش قبول نہیں کی اور پوری رقم اپنے پاس سے ادا کی۔

آپ سے میرا تعلق

راقم السطور 1991ء میں دارالعلوم میں درجۂ عربی پنجم میں داخل ہوا، اور 1994ء میں دورے سے فراغت حاصل کی، پھر 1995ء میں افتاء کی تکمیل کی۔ یہ آپ کی نظامت تعلیمات کا زمانہ تھا۔ میں نے آپ سے عربی ہفتم میں تفسیر بیضاوی (سورۂ بقرہ) اور دورے میں مسلم شریف جلد اول پڑھی۔

جب 2001ء میں میرا دارالعلوم میں تقرر ہوا، تو باقاعدہ آپ سے تعارف ہوا۔ میرے ضلع کے بعض علماء اپنی طالب علمی کے زمانے میں کبھی کبھی آپ کی خدمت کے لیے جایا کرتے تھے، ملاقات پر آپ ان کے بارے میں معلوم کیا کرتے تھے۔ نیز چونکہ آپ حضرت مولانا ابرارالحق ہردوئی کے خلیفہ ومجاز تھے اور میں بھی حضرت کا دست گرفتہ اور ہم وطن تھا، اس لیے آپ کو مجھ سے انسیت ومحبت تھی۔ جب کبھی آپ کے پاس بیٹھنے کا موقع ملتا تو آپ حضرت مولانا ہردوئی کے زہد و تقوی اور اخلاص وللّٰہیت کے واقعات سناتے تھے۔

چند واقعات واقوال

آپ چونکہ کبار اساتذہ اور بزرگوں کی صحبت اٹھائے ہوئے تھے اور آپ کو لوگوں کے معاملات اور مسائل کا طویل تجربہ تھا، اس لیے بہت جلد مسائل کی تہ تک پہنچ جاتے تھے۔ اور اپنے تجربے کی روشنی میں ان کو حل کردیتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت مولانا ہردوئی نے بعض وجوہ کی بنا پر خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں اپنے ایک خلیفہ ومجاز بیعت کو کام کرنے کے لیے مقرر کیا؛ چنانچہ یہ صاحب وہاں کام کے لیے مستعد ہوگئے۔ اس کے بعد حضرت کا انتقال ہوگیا؛ لیکن وہاں ان کے لیے ماحول سازگار نہیں تھا۔ پھر یہ صاحب وہاں کام کرنے کے لیے کوششیں جاری رکھے ہوئے تھے۔ حضرت مولانا نے ہم لوگوں سے ایک مرتبہ فرمایا کہ کوئی ان صاحب کو سمجھادے کہ وہ وہاں کی کوشش ترک کردیں؛ کیونکہ ان کا جو برادری کا پس منظر ہے اس کے لحاظ سے وہاں کے لوگ ان کو قبول نہیں کریں گے۔

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ مرکز نظام الدین میں حالات کچھ ناسازگار تھے، اسی دوران مولانا عبیداللہ صاحب بلیاویؒ کا دیوبند آنا ہوا اور انھوں نے علامہ ابراہیم بلیاویؒ سے ملاقات کی۔ علامہ نے

مولانا عبیداللہ صاحب سے فرمایا، آپ مرکز میں ہیں، رہتے رہیں؛ لیکن یہ بات ذہن میں رہے کہ آپ کو آگے بڑھنے (امیر بننے) کا موقع نہیں ملے گا، وہاں جن لوگوں کی بالادستی ہے وہ اپنے لوگوں کے علاوہ کسی باہر کے آدمی کو اس کا موقع نہیں دیں گے؛ چنانچہ ایسا ہی ہوا، مولانا عبیداللہ صاحب کو اسی زمانے میں یا آگے چل کر ایک بڑے صدمے سے دوچار ہونا پڑا۔

ایک مرتبہ آپ نے تبلیغی جماعت کے بارے میں فرمایا کہ جس جماعت کے (اس کے منحرف افکار وعقائد کی وجہ سے) علماء مخالف ہوگئے وہ جماعت پنپ نہیں سکی۔ اس کی مثال جماعت اسلامی ہے۔ علماء نے اس کے باطل افکار کی وجہ سے اس کی مخالفت کی؛ چنانچہ اسے عام مسلمانوں میں مقبولیت حاصل نہ ہوسکی۔

ایک مرتبہ عید کے چاند کے سلسلے میں دارالعلوم کے مہمان خانے میں ''رؤیت ہلال کمیٹی'' کی میٹنگ تھی۔ میٹنگ میں آپ بھی شریک تھے۔ چاند کے سلسلے میں متضاد اطلاعات تھیں۔ گومگو کی کیفیت تھی، کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا فیصلہ کیا جائے۔

بعض ادارے یا رؤیت ہلال کمیٹیاں چاند کے بارے میں اعلان کرنے میں بڑی عجلت سے کام لیتی ہیں۔ دارالعلوم کا ہمیشہ یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ پوری معلومات اکٹھا کرنے کے بعد ہی اعلان کرتا ہے۔ چاہے اعلان میں تھوڑی تاخیر ہی ہو۔ احتیاط اسی میں ہے۔

حضرت نے اس موقع پر فرمایا کہ جب موصول اطلاعات کے بارے میں آپ حضرات کو اطمینان نہیں ہے تو یہی اعلان کیجیے کہ شرعی طور پر رؤیت ثابت نہیں ہے، اس لیے کل 30/رمضان ہے۔ اس طرح حضرت کی رائے سے گومگو کی کیفیت ختم ہوئی اور مسئلہ حل ہوگیا۔

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ اگر تہجد کے لیے نہ اٹھ سکو تو عشاء کی نماز کے بعد تہجد کی نیت سے چند رکعتیں پڑھ لیا کرو انشاءاللہ تہجد کا ثواب ملے گا۔

آپ نے فرمایا کہ رزق اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر ہے، وہ آپ کو مل کر رہے گا، قطع نظر اس سے کہ آپ کیا مشغلہ اختیار کرتے ہیں، اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے اسٹیشن پر ٹکٹ کاؤنٹر، جس میں کئی کھڑکیاں ہوں، آپ اپنی منزل کا ٹکٹ جس کھڑکی سے لینا چاہیں لے سکتے ہیں۔ آپ کو وہی ٹکٹ ملے گا۔ یہی حال رزق کا ہے، آپ چاہے ملازمت کریں، یا تجارت یا زراعت، آپ کو آپ کے حصے کا رزق مل کر رہے گا۔

پھر حضرت نے اپنا واقعہ بتایا کہ میرے بھائی سرکاری ملازم تھے اور میں مدرسے میں پڑھتا تھا،

جب کوئی میرے بارے میں دریافت کرتا تو بہت ہی قابل رحم انداز سے بتلاتے کہ مدرسے میں پڑھتا ہے؛ لیکن جہاں تک رزق کا معاملہ ہے تو اللہ تعالی نے مجھے ان سے زیادہ رزق دیا، میں نے ان کی خدمت کی اوران کے بچوں کی شادی بیاہ میں مدد کی، اور رشتے داروں کی بھی مدد کی۔ اورفرمایا ایک مرتبہ میں حج کے لیے گیا تو مطاف میں میرے پاس ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اوراس نے کچھ ریال بطور ہدیہ پیش کیے اور کہا کہ حضرت میں بنگلہ دیش کا رہنے والا ہوں میں نے آپ سے فلاں کتاب پڑھی ہے۔

عادات وصفات

آپ علم وعمل کے جامع، اصلاح وتربیت کی علامت، سادگی وبے تکلفی کا نمونہ تھے۔ منکرات پر نکیر اور طلبہ کو روک ٹوک کرنا آپ کی ایک منفرد خصوصیت تھی۔ تواضع ومنکسر المزاجی اور خوش خلقی وخوش مزاجی آپ کا نمایاں وصف تھا۔ یہ اوصاف جمیلہ آپ کو اپنے اساتذہ اور بزرگوں کی صحبت سے حاصل ہوئے تھے۔ اس طرح آپ اسلاف کا نمونہ اوراکابر کی یادوں کے سچے امین تھے۔

آپ دراز قد، نرم خو، متواضع ومنکسر المزاج تھے، اپنا سامان بازار سے خود لاتے تھے، بارہا سامان خریدنے کے لیے دکانوں کے سامنے کھڑا دیکھا۔ آپ کے انداز سے سادگی وبے تکلفی نمایاں تھی، لوگوں کے ساتھ خوش خوئی اور خوش اسلوبی سے پیش آتے تھے، ہمیشہ مسکرا کر سلام کا جواب دیتے تھے، لباس سادہ ہوتا تھا، تکلف اور تصنع سے کوسوں دور تھے۔ آپ آزمودہ کار اور سرد وگرم دیکھے ہوئے تھے، اس لیے بڑی آسانی سے مسائل حل کردیا کرتے تھے۔

بیماری اور تدریسی مشغلہ

آپ بڑے باحوصلہ اور باہمت انسان تھے۔ آپ نے تدریسی شغل اپنی وفات سے چند دنوں پہلے تک جاری رکھا۔ سال گزشتہ جب رمضان میں آپ کی طبیعت ناساز ہوئی اور فالج کا دورہ پڑا تو دیکھنے والا یہی کہتا کہ اب آپ کی صحت کی بحالی اور دوبارہ تدریس کے لائق ہونا بہت مشکل ہے۔ لیکن آپ کا علاج ہوا اور طبیعت میں بہتری آئی تو آپ نے مجلس تعلیمی میں درخواست دی کہ میرے دو سبق میں سے تفسیر ابن کثیر (سورۂ صفّت) کے سبق کی تخفیف کردی جائے، اور دوسرا سبق (بخاری جلد ثانی جس کا مقررہ وقت ششماہی سے قبل ہے) میں ششماہی کے بعد پڑھاؤں گا؛ چنانچہ مجلس نے آپ کی درخواست منظور کرلی۔ آپ کے تفسیر کے سبق کو راقم السطور سے متعلق کردیا گیا اور بخاری کے سبق کو آپ نے ششماہی کے بعد پڑھایا۔

امسال آپ نے مجلس سے یہ خواہش ظاہر کی کہ بخاری کا سبق اس کے اپنے مقررہ وقت

پر (ششماہی سے پہلے) پڑھاؤں گا اور تفسیر کا سبق بخاری کے مکمل ہونے کے بعد؛ چنانچہ آپ نے آغاز سال سے ماہ صفر تک بخاری کا متعلقہ حصہ مکمل کر دیا، اس دوران تفسیر کا سبق راقم السطور نے پڑھایا۔ جب بخاری مکمل ہوگئی تو تفسیر کا سبق خود آپ نے پڑھانا شروع کر دیا، تفسیر میں کچھ ہی اسباق رہ گئے تھے کہ آپ کی طبیعت خراب ہوئی اور آپ اس کو مکمل نہ کر سکے۔

آپ نے تدریس اور طلبہ کی تربیت کو ہی اپنا مشغلہ بنایا، اور اپنا سارا وقت اسی کام میں لگایا۔ تصنیف وتالیف کے لیے وقت فارغ نہیں کیا اور نہ اس کو اپنا مشغلہ بنایا، البتہ بعض احباب نے آپ کے ملفوظات جمع کیے جنھیں ''جواہراتِ قمر'' کے نام سے کتابی شکل میں شائع کیا گیا۔

اللہ تعالی حضرت کی مغفرت فرمائے اور آپ کے درجات بلند فرمائے، آپ کے پسماندگان، متوسلین اور مریدین کو صبر جمیل نصیب فرمائے!

* * *

روشن تھا جس قمر سے آسمانِ دیوبند

استاذ الاساتذہ علامہ قمرالدین صاحب گورکھپوریؒ

(شیخ الحدیث ثانی دارالعلوم دیوبند)

ولادت: ۱/۱۲/۱۳۵۶ھ، مطابق ۲/۲/۹۳۸، بدھ

وفات: ۱۹/۶/۱۴۴۶ھ، مطابق ۲۲/۱۲/۲۰۲۴ء، اتوار

از: محمد حبان بیگ قاسمی علی گڑھی

شعبۂ ترتیب فتاوی دارالعلوم دیوبند

استاذِ عالی وقار، استاذ الاساتذہ حضرت اقدس علامہ قمرالدین صاحب گورکھپوری نوراللہ مرقدہ نہایت قابلِ رشک، سنتوں سے آراستہ اور اتباعِ شریعت سے پیراستہ؛ پاکیزہ زندگی گزار کر مالکِ حقیقی سے جا ملے، حضرت والا اسلاف کی یادگار اور اکابرِ دیوبند کا عکسِ جمیل تھے، تقریباً نصف صدی سے زائد پر محیط آپ کا علمی واصلاحی سفر منزلِ دوام کو پہنچا، آپ کے فیوضِ نورانی سے ایک عالم سیراب ہوا، تدریس وتربیت کے سنگم نے آپ کے درس کو شرابِ دوآتشہ بنا دیا تھا، جس سے علم وتزکیہ کا خمار یک بارگی چڑھتا؛ علمی جواہر پاروں کے ساتھ اصلاحی حواشی نہ جانے کتنے لوگوں کے لیے نشانِ منزل بنے اور صدقاتِ جاریہ کا ایک عظیم ذخیرہ چھوڑ کر آپ ابدالآباد کے لیے اپنے درجات کی بلندی کے وسائل چھوڑ گئے، درکفے جامِ شریعت، درکفے سندانِ عشق کی آپ تصویر تھے۔

ایسے عظیم مربی اور کریم استاذ کے وصال سے جو گہرا صدمہ پہنچتا ہے، انھیں الفاظ کا جامہ پہنانا ممکن نہیں، آپ کی صفاتِ حمیدہ اور خصائلِ محمودہ کے ذکر سے قلم وقرطاس عاجز ہیں؛ اور ویسے بھی آپ استاذوں کے استاذ تھے؛ اس لیے آپ پر خامہ فرسائی مجھ بے بضاعت کے لیے چھوٹا منھ بڑی بات ہے۔

شاگرد ہیں ہم میرؔ سے استاد کے راسخؔ ۞ استادوں کا استاد ہے استاد ہمارا

(راسخؔ عظیم آبادی)

مگر کچھ یادیں اور تاثرات بے ساختہ نوکِ قلم پر آئے اور زینتِ قرطاس بنتے گئے، جن کو نذر قارئین کرنا اپنے لیے سعادت سمجھتا ہوں:

دراز قد، نورانی چہرہ، آثارِ سجود سے مزین کشادہ پیشانی، آنکھوں سے ہویدا ہوتی رقتِ قلبی، صاف رنگ اور اس پر صبغتِ الٰہی، سفید لباس موافق سنتِ نبوی، مثالی بود و باش؛ گویا سراپا ہی ایسا تھا جیسے کوئی نورانی مخلوق جلوہ افروز ہو، پھر اُس پر مستزاد اخلاقِ عالی، باتوں میں چاشنی، زبان میں مٹھاس، خلوص وللّٰہیت اور بندگانِ خدا کے تئیں جذبۂ ایثار و ہمدردی، حکمت و موعظت سے لبریز گفتگو، درس و تدریس کا نرالا انداز؛ جو لطیف اشعار، بامعنی لطیفے اور اکابر و اسلاف کی زندگیوں کا مرقع ہوتا، پہلی بار دیکھنے اور برتنے والا یہی تصور کرتا کہ کسی فرشتہ نما مخلوق نے انسانیت کا روپ دھار لیا ہے۔

حضرتِ والا کو دورۂ حدیث شریف کے بعد بیضاوی کے سبق میں قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، درسِ تفسیر تھا یا گنجینۂ علوم و معارف؛ تفسیری نکات کے ساتھ ساتھ پیغامِ خداوندی کی روح سے آپ واقف کراتے، علمی موشگافیوں کے ساتھ عملی جذبات آپ کے درس میں بیدار ہوتے، درمیانِ درس بڑے ہی پرلطف انداز میں اکابر کے واقعات اور نشانِ قدم سے روشناس کراتے، بر محل اشعار اور موقع بہ موقع لطیفوں سے غنودِ محفل توڑتے اور سبق کب شروع ہوتا اور کب ختم ہو جاتا پتا بھی نہ چلتا تھا۔

گزرے بہت استاد مگر رنگِ اثر میں ❁ بے مثل ہے حسرتؔ، سخنِ میرؔ ابھی تک

(حسرتؔ موہانی)

علامہ بلیاویؒ سے قربت اور خدمتِ خاص کی وجہ سے آپ کے اندر اُن کا رنگ و آہنگ نمایاں تھا اور دورانِ درس جا بہ جا اُن کا تذکرہ بھی فرمایا کرتے، علامہ بلیاویؒ کی وراثتِ علمی نے جہاں آپ کو جلالتِ علمی کی شان عطا کی تھی؛ وہیں حضرت ہردوئی علیہ الرحمہ کی نگاہِ کیمیا اثر نے آپ کے اندر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا خاص ذوق پیدا کر دیا تھا، داعیانہ انداز میں آپ منکرات پر تنبیہ فرمایا کرتے، آخرت کی یاد اور جلوت و خلوت کی پاکیزگی پر آپ بہت زور دیا کرتے تھے اور اکبرالہ آبادی کا یہ شعر بار بار دورانِ درس سنایا کرتے:

بہت مشکل ہے بچنا بادۂ گلگوں سے خلوت میں ❁ بہت آساں ہے یاروں میں معاذ اللہ کہہ دینا

(اکبرؔ الہ آبادی)

دینی تعلیم کی اہمیت اور عظمت کو بھی بار بار دل نشیں کراتے اور زمانے سے متاثر و مرعوب نہ

ہونے کی تلقین فرماتے، قرآن وحدیث کی اس تعلیم کے رتبے اور مرتبے کو جاگزیں فرماتے، اور یہ احساس دلاتے کہ تم جو تعلیم حاصل کررہے ہو اس کی قیمت یہ دنیا کبھی نہیں لگا سکتی، اس کی قیمت کا اندازہ تو عنداللہ ہوگا، فرماتے کہ عصری علوم اگر حاصل بھی کرو تو اپنی پہچان نہ مٹانا، متاثر کرنا خود متاثر نہ ہوجانا، جو قیمتی خزانہ تمہارے پاس ہے وہ وہاں نہیں، اس ضمن میں اکبرالہ آبادی کے یہ اشعار بھی بڑے لطف کے ساتھ سنایا کرتے:

ہے دلِ روشن مثالِ دیوبند ❁ اور ندوہ ہے زبانِ ہوش مند
ہاں علی گڑھ کی بھی تم تشبیہ لو ❁ اک معزز پیٹ بس اُس کو کہو

(اکبرالہ آبادی)

معاشرتی پہلوؤں سے بھی آپ کے نصائح حرزِ جاں ہیں، ایک بار دورانِ درس فرمانے لگے کہ کبھی کبھی اپنے گھر والوں کے ساتھ کہیں تفریح کے لیے بھی جانا چاہیے، اور فرمایا کہ جب میری شادی ہوئی تو میں گھر والوں کے ساتھ کشمیر گیا تھا، اس سے ان کا مزاج بدلتا ہے اور ذہنی فرحت کا بھی باعث ہے۔

دورانِ درس کسی بات کی اہمیت کے لیے انگلی سے اشارہ فرماتے اور آنکھیں کشادہ کرکے خاص انداز سے بیان فرماتے، فرمایا کرتے کہ اسے گرہ سے باندھ لے، پھر کوئی بتانے والا نہیں ملے گا، آہ! کتنا سچا تھا یہ جملہ! آج یہ حقائق یادیں بن چکے ہیں اور اشک اُن کی صداقت کے گواہ ہیں، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

آئے گا کون راہ دکھانے کے واسطے ❁ سینے میں آرزو کو جگانے کے واسطے
اٹھے گا کون سوز بڑھانے کے واسطے ❁ اک شمع جاں گداز جلانے کے واسطے

آپ کو کئی بزرگانِ دین سے نسبت حاصل تھی، علامہ بلیاوی رحمہ اللہ اور علامہ فخرالدین رحمہ اللہ سے علمی وراثت پائی تو وہیں خوانِ تھانوی ومدنی سے بھی آپ نے روحانی فیض پایا، ان رنگہاے بَہار نے آپ کو گلدستہ بنادیا تھا، جو آنکھوں کے لیے تسکین اور سانسوں کے لیے خوشبو فراہم کرتا۔

ذکرواذکار کے آپ اخیر عمر تک پابند رہے، سجدہائے سحر کی مخموری آپ کی سرخ آنکھوں سے اکثر چھلکتی، قریب سے دیکھنے والوں کے لیے آنکھوں کی سرخی اور اس کا ورم رات کی سسکیوں اور آہِ سحرگاہی کا ثبوت پیش کرتا، سچ یہ ہے کہ آپ کو دیکھ کر خدا یاد آتا، آپ کی صحبت اور مجلس کا اثر ہفتوں زائل نہ ہوتا، ''تقوی صادقین کی معیت ہی کا رہین ہے''؛ اس فرمانِ خداوندی کی آپ حسی تفسیر تھے، اور ''طولِ عمر کے ساتھ حسنِ عمل کی توفیق پر بشارت ہے''؛ اس فرمانِ نبوی کی آپ واضح تشریح تھے۔

سادگی اور تواضع تو اللہ والوں کی پونجی ہے، ظاہر ہے کہ یہ خصلت بھی آپ کو للّٰہیت کے طفیل عطا ہوئی تھی، نہ ذوقِ خود نمائی، نہ تکلفِ بے جا، گھر کا ساز و سامان بھی خود خرید لیا کرتے، بارہا صدر دروازے کے سامنے دکان دار کی کرسی پر بیٹھ جاتے اور ہر آنے جانے والے سے بلا تکلف سلام مصافحہ فرماتے، خیر خیریت دریافت کرتے، کبھی کسی نزاعی معاملے میں آپ کا نام دور دور تک نہ آتا، ایک خاموش جہدِ مسلسل اور فنائیت میں ڈوبی لازوال کدو کاوش نے آپ کو مرجع خلائق اور محبوبِ اساتذہ وطلبہ بنا دیا تھا۔

یہ قمرِ دین گورکھپور کے ایک قصبہ بڑہل گنج میں نمودار ہوا، آسمانِ دیوبند پر بدرِ منیر بن کر چمکا، اور نصف صدی سے زائد تک اپنی ضیا پاشی سے عالم کو منور کرتا رہا، سرزمینِ دیوبند کی یہ خوش بختی ہے کہ علم وفضل کے چاند تارے اس کے گرد ہالہ بنائے رہتے ہیں، اس سرزمین کی عظمت ان ہی اربابِ فضل وکمال سے وابستہ ہوئی اور دیکھتے دیکھتے یہ ایک دور افتادہ قصبہ پوری دنیا میں متعارف ہوگیا، اور علم وفضل کے وزن نے اس خطے کو بھی وزنی بنا دیا، بڑے بڑے عباقرۂ روزگار دور دراز سے یہاں آئے اور اپنی پوری زندگی علم وفضل کے حوالے سے اس سرزمین کے لیے وقف کر دی، اور یہیں کی مٹی اوڑھ کر ابدی نیند سو گئے، کیسے کیسے آفتاب وماہتاب نے اس سرزمین کو منور کیا اور یہیں غروب ہوگئے، مزارِ قاسمی، مزارِ عابدی اور مزارِ انوری اپنے دامن میں ایسی ہی عظیم ہستیوں کو سموئے ہیں؛ جن کا وصفِ مشترک علم وفضل ہے اور بس۔

زندگی جن کے تصور سے جلا پاتی تھی ۞ ہائے کیا لوگ تھے جو دامِ اجل میں آئے

(ناصؔر کاظمی)

علامہ قمر الدین صاحب گورکھپوری نور اللہ مرقدہ بھی اسی ذہبی سلسلے کی ایک کڑی تھے، ان ہی اساطین کے نقشِ راہ کے راہ رو اور علم وفضل میں ان ہی اکابر کے جانشین اور یادگار، بخاری ثانی کا جو حصہ آپ سے متعلق تھا اسے اخیر سال میں پڑھانا تھا؛ مگر گویا موت کی آہٹ اور وصال کا مژدہ اس اللہ کے ولی کو پہلے ہی ہوگیا تھا؛ اسی لیے اپنا متعلقہ حصہ درخواست کر کے پہلے ہی پڑھا دیا اور بالآخر طویل علالت کے بعد آپ بھی مسافرانِ آخرت میں شامل ہوگئے، ہزاروں طالبانِ علوم، اساتذہ ومشائخ اور ایک جم غفیر نے جانشینِ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی اقتدار میں آپ کی نمازِ جنازہ ادا کی، اور مزارِ قاسمی میں اپنے پیش رو اکابرین کے ساتھ آپ کو بھی نم آنکھوں اور مغموم قلوب کے ساتھ سپردِ خاک کر دیا گیا، تغمدہ اللہ بغفرانہ۔

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں ❁ کہیں سے آبِ بقائے دوام لے ساقی!

(علامہ اقبالؔ)

مختصر سوانحی خاکہ

اسمِ گرامی: قمرالدین بن حاجی بشیرالدین صاحبؒ۔

ولادت: ۱؍ذی الحجہ ۱۳۵۶ھ، مطابق ۲؍فروری ۱۹۳۸ء، بہ روز: بدھ، قصبہ: بڑہل گنج، ضلع: گورکھ پور، یوپی، ہندستان میں آپ کی ولادت ہوئی۔

تعلیم: آپ کے والدِ مرحوم نے آپ کی دینی تعلیم کا انتظام فرمایا اور ابتدا میں آپ نے حضرت مولانا صفی اللہ صاحبؒ سے تعلیم حاصل کی، اس کے بعد مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور، اور پھر دارالعلوم مئو میں زیرِ تعلیم رہے، بعدازآں تعلیمی مراحل کی تکمیل کے لیے آپ نے دارالعلوم دیوبند کا رخ کیا اور ریکارڈ محافظ خانہ دارالعلوم دیوبند کے مطابق آپ کا ۱۶؍شوال ۱۳۷۴ھ، مطابق ۷؍جون ۱۹۵۵ء میں داخلہ عمل میں آیا اور شعبان ۱۳۷۷ھ، مطابق مارچ ۱۹۵۸ء میں آپ نے دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی، درسِ نظامی کے بعد مزید دو سال علوم وفنون کی تکمیل فرمائی اور اس وقت کے مقتدر مشاہیر علمائے عظام سے کسبِ فیض کیا، اساتذہ کی خصوصی توجہات آپ کو حاصل رہیں اور نہایت اعلیٰ نمبرات سے آپ کامیاب ہوئے، آپ کے دورۂ حدیث شریف کے اساتذہ اور نمبرات کا نقشہ درج ذیل ہے:

نمبر شمار	کتب امتحان	حاصل کردہ نمبرات	اسمائے گرامی اساتذۂ کرام
۱	نسائی شریف	۵۳	حضرت مولانا بشیر احمد خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ
۲	مسلم شریف	۵۳	حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ
۳	موطا امام مالک	۵۲	حضرت مولانا ظہور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ
۴	موطا امام محمد	۵۲	حضرت مولانا محمد جلیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ
۵	ترمذی شریف	۵۰	حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ
۶	ابوداؤد شریف	۵۰	حضرت مولانا سید فخرالحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ
۷	ابن ماجہ شریف	۵۰	حضرت مولانا ظہور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۸	طحاوی شریف	۵۰	حضرت مولانا سید حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔
۹	بخاری شریف	۴۹	حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ
۱۰	شمائل ترمذی	۴۹	حضرت مولانا عبدالاحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تدریس: علامہ بلیاویؒ کے ایماء پر ابتدا میں آپ نے مدرسہ عبدالرب دہلی میں چند سال خدمات انجام دیں، وہاں بخاری شریف کا درس بھی آپ سے متعلق ہوا اور دہلی کی کسی مسجد میں آپ تفسیر بھی فرمایا کرتے تھے، بعد ازآں ۱۱رشوال ۱۳۸۶ھ، مطابق ۲۲رجنوری ۱۹۶۷ء میں آپ کا دارالعلوم دیوبند میں بہ عہدہ ''مدرس عربی'' تقرر ہوا، حسنِ کارکردگی اور محنت و یک سوئی کی وجہ سے بہت جلد ترقیات سے سرفراز ہوئے، ۱۳۹۹ھ، مطابق ۱۹۷۹ء میں ترقی فرماتے ہوئے آپ درجۂ علیا کے اساتذہ میں شامل ہوئے اور تادمِ آخر اسی عظیم الہامی ادارے سے وابستہ رہ کر آپ نے مثالی خدمات انجام دیں، ابتدائی درجات سے لے کر دورۂ حدیث اور تکمیلات تک؛ مختلف علوم وفنون کی کتابیں آپ کے زیرِ تدریس رہیں اور ایک باکمال مدرس کی حیثیت سے آپ کو شہرت ملی، صحیح مسلم اور سننِ نسائی جیسی کتابیں بھی آپ سے متعلق ہوئیں اور ابنِ کثیر و بیضاوی جیسی تفاسیر کی دقیق کتابیں بھی آپ کی تدریسی صلاحیتوں کا مظہر بنیں، ۳ر ربیع الثانی ۱۴۳۸ھ، مطابق ۱رجنوری ۲۰۱۷ء میں بخاری شریف جلد ثانی کا درس آپ کو تفویض ہوا اور تاحیات یہ درس آپ سے متعلق رہا۔

انتظامی صلاحیتوں سے بھی آپ مالا مال تھے؛ چناں چہ ۱۳۹۰ھ، مطابق ۱۹۷۰ء میں ایک مرتبہ اور ۱۳۹۴ھ تا ۱۴۰۱ھ، مطابق ۱۹۷۴ء تا ۱۹۸۱ء میں دوسری مرتبہ آپ بہ حیثیت ناظمِ دارالاقامہ متعین فرمائے گئے، نیز شعبان ۱۴۱۰ھ، مطابق مارچ ۱۹۹۰ء کو آپ نائب ناظمِ تعلیمات اور پھر شوال ۱۴۱۱ھ تا ۱۴۱۶ھ، مطابق اپریل ۱۹۹۱ء تا ۱۹۹۵ء آپ ناظمِ تعلیمات کے عہدے پر فائز ہوئے، رعب و دبدبہ اور طلبہ کے تئیں جذبۂ ہمدردی وخلوص کی وجہ سے آپ کا نظم ونسق اور دورِ انتظام مثالی رہا۔

سنِ ہجری کے اعتبار سے تقریباً ساٹھ سال آپ نے دارالعلوم دیوبند میں ہمہ جہت خدمات انجام دیں اور ہزاروں تشنگانِ علوم نے آپ سے سیرابی حاصل کی۔

تزکیہ: علامہ بلیاویؒ کے توسط سے اولاً آپ نے حضرت شاہ وصی اللہ صاحب الٰہ آبادیؒ سے اصلاحی تعلق قائم فرمایا، پھر محی السنۃ حضرت شاہ ابرار الحق صاحبؒ سے متعلق ہوکر سلوک کی منازل

طے فرمائیں، قربِ خاص عطا ہوا اور اجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے، نیز آپ کو علامہ بلیاویؒ، قاری سید صدیق صاحب باندویؒ اور حضرت مولانا محمود صاحبؒ پٹھیڑوی (خلیفہ حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ) کی طرف سے بھی خلعتِ خلافت سے نوازا گیا۔

دارالعلوم دیوبند سے متصل مسجدِ طیب میں آپ کے وعظ ونصیحت کا سلسلہ زمانۂ دراز تک جاری رہا اور بے شمار لوگوں نے آپ کی نورانی مجالس سے روشنی حاصل کر کے اپنے سفرِ آخرت کو سنوارا، ۱۳۸۲ھ، مطابق ۱۹۶۳ء میں سفرِ حج کے دوران حضرت مولانا سعید احمد خاں صاحبؒ کی توجہ اور اعتماد پر حرم شریف کے اندر تقریباً دو ماہ تک بعد مغرب روزانہ ایک بڑے مجمع کو وعظ ونصیحت فرمانے کی عظیم سعادت آپ کے نصیب میں آئی، حضرت شاہ وصی اللہ صاحبؒ بھی آپ سے بے پناہ محبت فرمایا کرتے تھے اور حضرت ہردوئیؒ کا بھی اعتماد آپ کو حاصل تھا؛ چناں چہ آپ سے اپنی مسجد میں تقریر کروایا کرتے تھے اور آپ کی آمد پر خوشی ومسرت کا اظہار فرمایا کرتے تھے، کئی برس تک آپ نے مسجد ہاشم آمبور، تامل ناڈو میں رمضان المبارک کے اخیر عشرے کا اعتکاف بھی فرمایا اور اپنے مواعظِ حکمت سے شہر وبیرونِ شہر کے سیکڑوں افراد کو مستفیض فرمایا، پند ونصائح کے لیے آپ کے ملک وبیرونِ ملک کے اسفار بھی ہوئے اور ایک خلقِ عظیم نے آپ کی ذاتِ بابرکات سے نفع اٹھایا۔

وراثتِ ابدی: آپ نے کوئی نسبی اولاد نہیں چھوڑی؛ البتہ طلبہ ومسترشدین کی شکل میں ایک عظیم روحانی سلسلہ چھوڑ گئے، جو قیامت تک آپ کے نامۂ اعمال میں اضافے کا سبب ہوگا، ایسے ہی آپ کی کوئی ذاتی تصنیف نہیں ہے؛ مگر سفینوں کی جگہ ہزاروں سینوں میں آپ کے علمی جواہر پارے محفوظ ہیں، دارالعلوم دیوبند کے اکثر اساتذہ آپ کے فیض یافتہ اور آپ کے علوم کے امین ہیں، آپ کی تقریروں کو ''جواہراتِ قمر'' کے نام سے جمع کیا گیا ہے، جو طالبین وسالکین کے لیے ایک انمول تحفہ ہے۔

وفات: ۱۹؍جمادی الاخری ۱۴۴۶ھ، مطابق ۲۲؍دسمبر ۲۰۲۴ء، بہ روز: اتوار دیوبند میں طویل علالت کے بعد آپ کی وفات ہوئی، جانشینِ شیخ الاسلام امیر الہند حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب دامت برکاتہم نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور مزارِ قاسمی میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

* * *

استاذ الاساتذہ علامہ قمر الدین گورکھپوریؒ
خصوصیات وخدمات

از: مولانا خورشید عالم داؤد قاسمی
مون ریز ٹرسٹ اسکول، زامبیا، افریقہ

اللہ کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے کہ ''آپ دنیا میں ایک اجنبی یا راہ رو کی طرح رہیں اور خود کو قبر والوں میں شمار کریں۔'' (سنن الترمذی: 2333) استاذ الاساتذہ علامہ قمر الدین صاحب گورکھپوریؒ انتقال فرما گئے۔ لگتا ہے کہ ہر وقت یہ حدیث آپ کی نظروں کے سامنے رہتی تھی۔ ان کو دوسروں کے مسائل سے کچھ لینا دینا نہیں تھا۔ وہ دوسروں کے معاملات میں دخل اندازی سے بچتے تھے۔ آپ بے موقع گفتگو سے اجتناب کرتے تھے۔ اللہ نے آپ کو متقی و پرہیز گار بنایا تھا۔ اللہ نے آپ میں صالحیت اور نیکی رکھی تھی۔ آپ نے صبر وشکر کے ساتھ زندگی گذاری۔ انھوں نے ہمیشہ اخلاقی اقدار اور اصولوں پر عمل کیا۔ آپ لوگوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے تھے۔ ان کا کام اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لیے ہوتا تھا۔ آپ کو دنیوی شہرت اور دولت سے کوئی محبت نہیں تھی۔ آپ کی زندگی قرآن وسنت کے مطابق تھی۔ آپ نے سیدھی سادھی زندگی بسر کی۔ آپ عوام وخواص کے لیے ایک نمونہ تھے۔

علامہ قمر الدین صاحب گورکھپوریؒ نے دار العلوم جیسے عظیم علمی ادارے میں، تقریبا 58 سال تک تدریسی خدمات انجام دی؛ جب کہ آپ کی تدریس کا مکمل دورانیہ تقریبا 66 سال پر محیط ہے۔ علامہ کی پوری زندگی تعلیم وتدریس اور علم دین کی اشاعت کے لیے وقف رہی۔ انھوں نے ایک لمبی مدت تک قرآن کی تفسیر اور حدیث شریف کا درس دیا۔ آپ کا تعلق صرف تعلیم وتعلم اور وعظ ونصیحت سے تھا۔ آپ نے دوران درس اپنے شاگردوں کو صحیح طور پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات منتقل

کرنے کا کام کیا۔ آپ کی آواز اور بولنے کا انداز بالکل صاف تھا۔ آپ بڑے عمدہ اسلوب میں کسی بھی مضمون کی تشریح کرتے تھے۔ آپ ضرورت کے مطابق کلام کرتے تھے۔ آپ جو کچھ پڑھاتے تھے، طلبہ اسے آسانی سے سمجھ لیتے تھے۔ آپ نے اپنے طلبہ کو اپنی زندگی میں سچائی، اخلاقی اصول، اسلامی زندگی کو برتنے کی رہنمائی کرتے تھے۔ جب کوئی طالب علم کوئی سوال کرتا، تو آپ صبر وتحمل سے سنتے اور اس کا جواب دیتے۔ دوران درس طلبہ کو اکابر واسلاف کی تحقیق اور ان کے سبق آموز قصے بھی سناتے تھے۔ علامہ کسی طالب علم سے تلخ کلامی سے پیش آتے نہیں۔ وہ طلبہ کے ساتھ محبت اور ہمدردی سے پیش آتے تھے۔ انھوں نے ہمیشہ عفو ودرگذر کو اپنا شعار بنایا۔ وہ جب طلبہ کو مسجد میں دعا کے وقت اٹھتے دیکھتے، یا بغیر سنت کی ادائیگی کے طلبہ کو مسجد سے جاتے دیکھتے؛ تو بروقت طلبہ کو ڈانٹ ڈپٹ سے کام لیتے۔ ان کو سنت کی اہمیت بتاتے۔ آپ کی کوئی صلبی اولاد نہیں تھی، مگر آپ کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ ان کا پڑھنا پڑھانا اور دینی خدمات انجام دینا آپ کے لیے صدقۂ جاریہ ہے۔ تفسیر وحدیث کی تدریس کی برکت سے، اللہ نے آپ کو بڑی عزت وتوقیر سے نوازا تھا۔ طلبہ آپ سے بڑی محبت کرتے تھے۔

علامہ قمرالدین صاحب گورکھپوریؒ کی پیدائش دوفروری 1938 کو قصبہ: بڑہل گنج، ضلع: گورکھپور، یوپی میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد حاجی بشیرالدین تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم حضرت مولانا صفی اللہ صاحب قاسمی رحمہ اللہ سے حاصل کی۔ پھر عربی کی ابتدائی تعلیم مدرسہ احیاء العلوم، مبارکپور میں، ایک سال قیام کرکے حاصل کی۔ اس کے بعد، دارالعلوم، مئو میں تعلیم حاصل کی۔ اس ادارے میں آپ نے ملاحسن، متنبّی، مختصر المعانی، ہدایہ اولین وغیرہ تک کی تعلیم حاصل کی۔ پھر انھوں نے سن 1954ء میں دارالعلوم، دیوبند میں داخلہ لیا۔ سن 1957ء میں وہ دارالعلوم، دیوبند سے فارغ ہوئے۔ فراغت کے بعد، وہ مزید ایک سال دارالعلوم دیوبند میں رہے اور فنون کی تکمیل کی۔ انھوں نے دارالعلوم دیوبند میں شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی، علامہ محمد ابراہیم بلیاوی، مولانا فخرالدین صاحب مرادآبادی، مولانا بشیر احمد خان صاحب بلندشہری، مولانا فخرالحسن صاحب مرادآبادی، مولانا عبدالاحد صاحب دیوبندی، مولانا سید حسن صاحب دیوبندی، مولانا ظہور احمد صاحب دیوبندی اور مولانا جلیل احمد کیرانوی (رحمہم اللہ) جیسے عظیم اسلامی اسکالرز سے حدیث کی کتابیں پڑھی۔ دارالعلوم میں طالب علمی کے زمانے میں آپ علامہ بلیاوی کے خادم خاص تھے، جس نے آپ کی علمی صلاحیت مزید نکھارا۔

علامہ قمرالدین صاحب گورکھپوریؒ اپنے اساتذہ میں علامہ محمد ابرہیم بلیاوی رحمہ اللہ سے بہت زیادہ متاثر تھے۔ درس کے دوران بڑے ادب واحترام سے ان کا ذکر کرتے تھے۔ علامہ بلیاوی کے مشورے سے، تعلیمی مرحلہ کی تکمیل کے بعد، انھوں مدرسہ عبدالرب، دہلی سے تدریسی سفر کا آغاز کیا۔ انھوں نے اس مدرسہ میں مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھائیں۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ آپ نے مدرسہ عبدالرب میں صحیح البخاری بھی پڑھائی۔ تدریس کے ساتھ ساتھ ایک مسجد میں آپ قرآن کریم کی تفسیر بھی بیان کرتے تھے۔ تقریباً آٹھ سال تک آپ اس مدرسہ میں تدریسی خدمات میں مشغول رہے۔ پھر سن 1966ء میں، دارالعلوم دیوبند میں آپ کی تقرری ہوئی۔ بہت ہی جلد آپ علیا کے استاذ بن گئے۔ آپ کئی سالوں تک ناظم دارالاقامہ رہے۔ پھر سن 1994 میں آپ ناظم تعلیمات بنائے گئے۔ ہم نے دارالعلوم دیوبند، سن 2003 میں، آپ سے حدیث کی دو کتابیں: صحیح مسلم اور سنن النسائی پڑھی۔ آپ نے اول الذکر کتاب حضرت علامہ بلیاوی سے؛ جب کہ آخر الذکر کتاب حضرت مولانا بشیر احمد خان بلندشہری سے پڑھی تھی۔ جس وقت ہم دارالعلوم میں پڑھتے تھے، اس وقت علامہ کے زیر درس صحیح مسلم، سنن النسائی اور تفسیر بیضاوی جیسی اہم کتابیں تھیں۔ آپ وفات سے قبل صحیح البخاری جلد ثانی پڑھا رہے تھے۔ حضرت الاستاذ مولانا عبدالحق صاحب اعظمی رحمہ اللہ کی وفات کے بعد، بخاری جلد ثانی کی تدریس کی ذمہ داری آپ کو سونپی گئی، جو آپ کی صلاحیت وقابلیت اور علمی رسوخ پر منتظمین کے اعتماد کی دلیل ہے۔

علامہ نے پہلے اپنا اصلاحی تعلق حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمہ اللہ سے قائم کیا۔ ان کی وفات کے بعد، انھوں نے اپنا اصلاحی تعلق حضرت مولانا محمد ابرارالحق ہردوئی رحمہ اللہ سے قائم کیا۔ حضرت ہردوئی آپ کا بہت احترام کرتے تھے۔ انھوں نے آپ کو خلافت سے نوازا۔ آپ کی علمی اور اصلاحی مجلس عام طور پر عصر کی نماز کے بعد، ''مسجد طیب'' میں ہوتی تھی۔ آپ کی مجلس میں طلبہ شریک ہوکر استفادہ کرتے تھے۔ آپ میں دعوت واصلاح کا بڑا جذبہ تھا۔ آپ امت کی رہنمائی اور وعظ ونصیحت کے لیے ملک وبیرون ملک کا سفر بھی کرتے تھے۔ کئی سالوں تک، آپ نے رمضان کے اخیر عشرے میں، آمبور کی مسجد ہاشم میں وعظ ونصیحت اور اعتکاف کیا۔ آپ اپنے خطبات وبیانات میں عام طور پر تعمیل سنت، تزکیہ نفس، اخلاق حسنہ وغیرہ کی رہنمائی کرتے۔ آپ کے ان وعظ وخطبات کا مجموعہ ''جواہرات قمر'' کے نام سے چھپ چکا ہے جو آنے والی نسل کے لیے ایک قابل قدر سرمایہ ہے۔

اللہ کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ ایک دیہاتی نے سوال کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! لوگوں میں سب سے بہتر کون ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس کی عمر لمبی ہو اور اس کے اعمال اچھے ہوں۔'' (سنن الترمذی: 2329) اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کسی آدمی کو اللہ نے لمبی عمر سے نوازا ہو اور وہ شخص اپنی زندگی کو اعمال صالحہ میں بسر کرتا ہو، تو وہ بہترین لوگوں میں ہے۔ اللہ تعالی نے حضرت الاستاذ علامہ قمر الدین صاحب گورکھپوریؒ کو لمبی عمر دی۔ آپ بوقت وفات تقریبا 86 سال کے تھے۔ آپ کی پوری زندگی قرآن وحدیث پڑھنے پڑھانے اور وعظ ونصیحت میں بسر ہوئی۔ کچھ عرصے سے آپ کی صحت خراب تھی۔ مگر درس وتدریس سے آپ منسلک رہے۔ آپ مظفر نگر کے ایک اسپتال میں زیر علاج تھے۔ جب صحت زیادہ تشویشناک ہوگئی، تو ڈاکٹر نے آپ کو گھر واپس کردیا تھا۔ پھر آپ 22/دسمبر 2024 کو صبح بوقت فجر، اس دار فانی کوچ کر گئے۔ آپ کی جنازے کی نماز دار العلوم کے احاطے میں ادا کی گئی اور قبرستان قاسمی میں دفن کیے گئے۔ اللہ حضرت الاستاذ کی بال بال مغفرت فرمائے! آمین!

❋ ❋ ❋

خوشا قسمت کہ قمر تیرا زمانہ پایا

از: مولانا محمد منظور امین قاسمی
اسعد نگر ملوا باڑمیر

استاذ الاساتذہ حضرت علامہ قمر الدین صاحب گورکھپوریؒ شیخ ثانی دارالعلوم دیوبند تین سال موت اور زندگی کی کش مکش میں رہ کر بالآخر ہزاروں شاگردوں، اور متوسلین کو روتا بلکتا چھوڑ کر راہی ملک عدم ہوگئے، ان کے وجود سے دارالعلوم دیوبند میں اسلاف کی روایات واقدار تازہ تھیں، ان کی رحلت سے آسمان علم وعمل کا ایک قمر غروب ہوگیا، استاذ محترم حضرت علامہؒ نے بڑی نیک نامی، عالمگیر شہرت کے ساتھ اپنے اسلاف اکابرین کے مشن پر چلتے ہوئے پوری زندگی علم دین کی اشاعت میں صرف کی، عمر کے آخری پڑاؤ تک قال اللہ وقال الرسول کی صدائے دل نواز بلند کرتے رہے، حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک دیہاتی نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ: أی الناس خیر؟ سب سے بہتر انسان کون ہے؟ حضور نے ارشاد فرمایا: طوبی لمن طال عمرہ، و حسن عملہ، مبارک بادی ہو اس کے لیے جس کی عمر لمبی ہو، اور جس کا عمل اچھا ہو، پھر سائل نے پوچھا: أی الأعمال أفضل؟ اعمال میں سب سے اچھا عمل کون سا ہے، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: أن تفارق الدنیا و لسانك رطب من ذکر اللّٰہ: سب سے بہتر عمل یہ ہے کہ دنیا سے جاتے ہوئے تیری زبان ذکر اللہ سے تر ہو، حضرت علامہؒ کی زندگی اس حدیث مبارکہ کی عملی تصویر تھی، اللہ نے حضرت علامہ کو طول عمر سے نوازا، تقریباً نوے سے زیادہ عمر پائی اور اخیر عمر تک کتاب اللہ کی خدمت اور سنت رسول اللہ سے شغل کی برکت حاصل کرتے رہے، یہاں تک کہ وفات سے کچھ ماہ قبل صحیح بخاری کے اسباق پابندی کے ساتھ پڑھاتے رہے، نقاہت کمزوری کی وجہ سے چلت پھرت سے معذور ہوگئے تھے، اٹھنے بیٹھنے سونے اور دگر بشری تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے سہارے کے محتاج ہوگئے تھے، دکھنے میں صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ معلوم ہوتے تھے؛ لیکن ان سب معذوریوں کے

باوجود وہیل چیئر پر بیٹھ کر دارالحدیث تشریف لاتے اور حدیث پاک کا درس دیتے، ایک مرتبہ دوران درس غش کھا کر گر گئے، طلبہ دورۂ حدیث اٹھا لا کر حضرت کو گھر لائے، آہستہ آہستہ طبیعت بحال ہوئی، پھر اگلے دن آ کر درس حدیث دیا، حدیث رسول سے محبت اور عشق کی مثال اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتی ہے؟

حضرت علامہ ظاہری وجاہت کے بھی مالک تھے، اللہ نے حسن صورت سے نوازا تھا، دراز قد، سفید مائل بہ گندمی رنگ، بڑا سر، چوڑی پیشانی، کھڑی ناک، اور گھنی داڑھی ان کے حسن کو المضاعف کر دیتی تھی، سرتا پا حسن ہی ٹپکتا تھا، ان کو دیکھ کر دل ان کی طرف کھنچتا تھا، وہ ہزاروں کی بھیڑ میں نمایاں دکھتے تھے، مزید شب خیزی کی نورانیت ان کے چہرے سے ہویدا رہتی تھی، اخیر عمر کے تین سال چھوڑ کر ان کی کمر میں خم نہیں آیا، عصائے پیری کے سہارے چلتے ہوئے ہر ایک کو بھلے لگتے تھے، بعد نماز فجر پابندی سے اپنی قیام گاہ سے نکل کر نودرہ اور دار جدید سے ہوتے ہوئے اعظمی منزل کے سامنے وسیع میدان میں خراماں خراماں چل کر جی ٹی روڈ تک پہنچنے پھر وہاں سے واپس ہونے کا دل ربا منظر آج بھی آنکھوں کے سامنے گردش کر رہا ہے، طلبہ کی بڑی تعداد حضرت کی عقیدت میں تفریح میں آتے اور جاتے ساتھ ہولیتی، حضرت نفیس الطبع اور بڑے نستعلیق تھے، حضرت کے یہاں صفائی ستھرائی کا بڑا اہتمام تھا، گندگی پھوہڑ پن سے ان کی طبیعت بہت اِبا کرتی تھی، نفاستِ طبع کا اثر ان کی زندگی ہر گوشہ میں نمایاں تھا، سفید اجلے کپڑے جس پر شکن کا نام نشان نہیں ہوتا، ہمیشہ زیب تن کرتے، اپنے شیخ حضرت ہردوئیؒ کی اتباع میں پنج کلی کلاہ پہنتے تھے، قیمتی جوتے استعمال کرتے، بڑھاپے کی وجہ سے ہمیشہ عصا ہاتھ میں رکھتے تھے، نظر جھکائے دائیں بائیں ملتفت ہوئے بغیر چلنے کی عادت تھی، چال چلن سے تواضع مترشح ہوتی تھی، گفتار میں جماؤ اور ٹھہراؤ تھا، بہت صاف اور بلند آواز کے مالک تھے، طلبہ اور مہمانوں کے ساتھ نرم لہجے میں گفتگو کرتے، کلام کی درشتی اور لہجے کی کرختگی سے بہت بچتے تھے، وہ اپنے کردار معاملات نشست و برخاست اپنے اکابرین کی عملی تصویر پیش کرتے تھے، اپنی نجی مجلسوں، تدریسی محفلوں، عوامی پروگراموں میں اپنی جامع الکمالات شخصیت کا گہرا اثر چھوڑتے تھے۔

حضرت علامہؒ اپنے اساتذہ اور اکابرین کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے، بزرگوں سے محبت اور عقیدت ان کے رگ و پے میں پیوست تھی، دوران درس طلبہ کو اپنے اساتذہ کا ذکر خیر اور ان کے اوصاف اور اخلاق کے قصے بہت سناتے تھے، اپنے اساتذہ میں حضرت مدنیؒ اور حضرت علامہ بلیاویؒ

سے بہت عشق تھا، ان دونوں بزرگوں کے اصلاحی قصے زبان زد تھے، ہر تقریر میں اکابر کے دلچسپ عمل انگیز اصلاحی واقعات سنا کر طلبہ کو تعلیمی وتربیتی صحیح رخ دیتے ہیں، یہاں تک عوامی خطاب میں اکابرین دیوبند کے علمی کارناموں اور ملی کاموں اور روشن پہلوؤں کو بڑے اہتمام سے بیان کرتے تھے، حضرت علامہ اپنے کردار، گفتار، رفتار میں اپنے اکابرین کی شان دار روایات کے علم بردار تھے، حضرت علامہ بلیاویؒ کے اخص الخاص شاگرد ہونے کا شرف حاصل تھا، زمانہ طالب علمی میں حضرت علامہ بلیاویؒ کے دامن سے وابستہ ہوئے، اور علامہ بلیاویؒ کا ہر طرح خیال رکھا، دل و جان سے خدمت کی، ان کی دعاؤں سے نمایاں مقام حاصل کیا، حضرت بلیاویؒ کی نسبت اور ان سے تعلق کی وجہ سے ''علامہ'' کہے جانے لگے اور برصغیر میں اسی لقب سے مشہور ہوئے، اپنے بڑوں کی قدردانی اور ان کے تئیں عقیدت کی برکت تھی کہ دارالعلوم دیوبند جیسی علمی عرفانی درس گاہ میں ساٹھ سال تک دینی خدمات سرانجام دیں، موجودہ دور کے نام ور علماء کی استاذی کا شرف حاصل کیا، حضرت علامہ کے سامنے زانوئے تلمذتہ کرنے والے ہزاروں طلبہ میں علمائے ربانین کی جماعت تیار ہوئی، کئی ایک دعاۃ، مفتیان کرام، مصلحین عظام تیار ہوئے، اور ملت کے مسیحا ہوئے، اور بے شمار افراد میں نئی زندگی کی روح پھونکنے والے رہنما اور مفکر پیدا ہوئے۔

حضرت علامہ ایک عالم باعمل تھے، ان کی زندگی کا ہر گوشہ نبوی عمل کا نمونہ تھا، اتباع سنت سے معمور ان کی زندگی طلبہ اور عوام کے لیے قابل تقلید تھی، ان کے مزاج میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا وصف غالب تھا، طلبہ کی عملی کوتاہی پر بروقت روک ٹوک کرنا ان کا امتیاز تھا، اگر کسی طالب علم کو خلاف سنت کام کرتے دیکھ لیتے، تو فوراً اس کو برملا سخت سرزنش کرتے، اور سخت نکیر کرتے ہوئے آئندہ اس قسم کی عملی کوتاہیوں سے بچنے کی تاکید فرماتے، حضرت اپنے پرانے مکان کے سامنے واقع ''مسجد طیب'' میں نماز ادا کرتے تھے، اس مسجد میں نماز پڑھنے والے طلبہ سنتوں کی بہت زیادہ رعایت کرتے تھے، سنت کے مطابق وضو اور مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے کی آداب کا پورا اہتمام کرتے کہ مبادا خلاف سنت کسی عمل کا صدور ہوا، اور علامہ کی نظر پڑ گئی، تو عتاب کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے، خود حضرت طلبہ پر کڑی نظر رکھتے تھے کہ کوئی طالب علم سنت کے خلاف کام نہ کرے، حضرت علامہ طلبہ کی تربیت پر بہت زیادہ توجہ رکھتے تھے، انھوں نے جو اپنے اکابرین سے عملی وراثت لی تھی، وہ اپنے طلبہ میں منتقل کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے؛ تاکہ طلبہ عملی صفات سے متصف ہوں، اس کے لیے اصلاحی واقعات خوب سنایا کرتے تھے، حضرت علامہ کے یہاں معلومات کو معمولات بنانے

کا بہت زیادہ اہتمام پایا جاتا تھا، ظاہری علوم کے ساتھ باطنی علوم کے حصول پر بہت زور دیتے تھے۔

پیدائش اور تعلیم

حضرت علامہ مرحوم یوپی کے مردم خیز ضلع گورکھپور قصبہ بڑھل گنج میں پیدا ہوئے، تاریخ پیدائش ۲؍فروری ۱۹۳۸ عیسوی ہے، یعنی آپ آزاد ہندوستان سے نو سال بڑے تھے، آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی حاجی بشیر الدین تھا، مرحوم بڑے نیک طینت اور علم دوست آدمی تھے، آپ کا نام قمر الدین تجویز ہوا، آپ اسم بامسمّٰی ثابت ہوئے، آسمان علم وعمل کے قمر بن کر ابھرے اور اپنی تابانی اور ضوفشانی کے ذریعے سیکڑوں ظلمت خانۂ دل کو منور کیا، ہزاروں تشنگان علوم نبویہ کو سیراب کیا، یہ قمر اپنی عمر کے دورِ ہلال میں ہی ابتدائی تعلیم کے لیے جناب مولانا صفی اللہ صاحبؒ کے پاس بٹھا دیا گیا اور ان کے پاس اپنی علمی وعملی زندگی کا آغاز کیا، اس کے بعد مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور کے لیے رخت سفر باندھا، وہاں ایک سال رہ کر علمی پیاس بجھائی، بعد ازاں مشرقی یوپی کے مشہور دینی تعلیم گاہ دارالعلوم مئو میں داخل ہوکر درس نظامی کی اکثر کتابیں بڑی جاں فشانی کے ساتھ پڑھی اور ہمیشہ اعلیٰ کارکردگی کے ساتھ ممتاز طلبہ کی فہرست میں نمایاں رہے، اور اساتذہ کی اطاعت شعاری اور وفا کیشی کے ذریعے نور نظر بن کر دعائیں حاصل کیں، کاتب تقدیر نے دارالعلوم دیوبند کے اکابرین سے فیض یاب ہونے کا مقدر لکھ دیا تھا، چناں چہ اعلیٰ تعلیم کے لیے دارالعلوم فروکش ہوئے، اس وقت کے مشاہیر اور جبال علم حضرات سے اکتساب فیض کیا، اور نصف بخاری شریف آزادی حریت کے بطل جلیل حضرت مدنیؒ سے پڑھی، حضرت مدنی کے وصال کے بعد باقی ماندہ بخاری شریف فخر المحدثین حضرت مولانا سیّد فخر الدین احمد مرادآبادی سے پڑھی، حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاوی کے مخصوص تلامذہ میں نمایاں تھے، حضرت بلیاوی کے گھریلوں کام کاج کی انجام دہی پر مامور تھے، اور ان کے مشوروں اور اشاروں سے تعلیمی دوار نیہ مکمل کیا، سند فضیلت کرنے کے بعد مزید دو سال تکمیل فنون میں لگائے، پھر حضرت بلیاویؒ کے ایما سے ہندوستان کی راجدھانی دہلی کے مشہور مدرسہ عبد الرب میں آٹھ سال مختلف علوم وفنون کی کتابیں زیر درس رہیں، آپ نے بڑی امانتداری اور احساس ذمے داری کے ساتھ تدریسی خدمات انجام دیں، آپ نے مدرّسی زندگی تک خدمات کو محدود نہیں کیا؛ بل کہ تدرسی ذمے داریوں کے ساتھ عوامی سطح پر دینی خدمت کا سلسلہ شروع کیا؛ چناں چہ دہلی کی کسی جامع مسجد میں درس قرآن کا متبرک سلسلہ شروع کیا، اس کے توسط سے آپ نے قرآنی پیغام کو عام کرنے اور خدائی پیام سے امت کو روشناس کرنے کے لیے اہم خدمات انجام دیں۔

دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات کا آغاز

آپ دارالعلوم دیوبند کے مایۂ ناز سپوت اور مسلک دیوبند کے علم بردار تھے، دارالعلوم دیوبند سے محبت اور وہاں کی در و دیوار سے آپ کو بے حد لگاؤ تھا، اسی محبت اور قلبی لگاؤ کا اثر تھا کہ 1966 میں حضرت علامہ بلیاویؒ کی تحریک پر آپ کو دارالعلوم دیوبند میں بہ حیثیت ''مدرس عربی'' مدعو کرلیا گیا اور بہت جلد آپ نے اپنی تدریسی اور علمی لیاقتوں کا لوہا منوالیا، اور آپ کی حسن کارکردگی کو دیکھتے ہوئے علامہ بلیاوی نے صرف چھ مہینے کے مختصر وقت کے بعد آپ کا استقلال کیا، مولانا سیّد محمد اختر صاحب دیوبندی ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند کو ترقی بابت ایک تحریر نامہ لکھ کر ارسال کیا، اور بارہ سال کے بعد علیا درجات کے استاذ نام زد کیے گئے اور حدیث شریف کی اہم کتابیں مسلم شریف، نسائی شریف اور تفسیر میں بیضاوی، اور منطق وفلسفہ کے علاوہ دگر فنون کی ادق واصعب کتابیں آپ نے پڑھائیں، تقریباً ساٹھ سال کے لمبے زمانے تک دارالعلوم میں مصروف خدمت رہے، اس دوران سیکڑوں طوفان اٹھے، باد مخالف چلی، بے شمار اتار چڑھاؤ آئے؛ لیکن آپ تھے کہ پہاڑ کی طرح ثابت قدم رہے اور جس علمی محاذ پر اکابرین نے آپ کو کھڑا کیا تھا، اس پر نہ یہ ہے کہ آپ جمے رہے بل کہ اس محاذ کو مضبوط کرنے کے لیے بڑی جان کاہی سے ڈٹے رہے، اور اکابرین کے لگائے گلشن علمی کی آب یاری اور گل کاری کے لیے دیوبند ہی کو وطن بنالیا اور یہیں سے جنازہ اٹھا، خاک دیوبند کے پیوند بنے، مزار قاسمی میں اکابرین کے پہلو میں محو خواب ہوگئے، شیخ عبدالحق اعظمیؒ کے انتقال کے بعد آپ کو شیخ ثانی تجویز کیا گیا، عمر کے آخری مرحلے میں اللہ جل وعلا نے بخاری جیسی بابرکت کتاب کی خدمت کی توفیق دی، آپ کمزوری اور نقاہت کے باوجود پابندی کے ساتھ درس بخاری دیتے اور وقت پر نصاب کی تکمیل کرتے، دارالعلوم دیوبند میں 95 فیصد اساتذہ وہ ہیں جنھوں نے حضرت کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا ہے اور ہندوستان کی دگر دینی درس گاہوں میں اکثر اساتذہ فضلائے دیوبند خوان قمر کے بادہ خوار ہیں۔

بیعت وخلافت

حضرت علامہ نے صرف ظاہری علوم وفنون پر اکتفا نہیں کیا اور محض حروف شناسی اور نقوش شناختی کے حصول پر توجہ مرکوز نہیں رکھی؛ بل کہ علوم باطنی کے حصول کے لیے کوشاں رہے، نیک طینت اساتذہ کی کیمیا اثر صحبت سے تعلق مع اللہ کا چسکہ، اتباعِ سنت رسول اللہ کا جذبہ اور قلبی دنیا کو آباد کرنے کا ولولہ آپ کے اندر پیدا ہوگیا تھا؛ چناں چہ ظاہری علوم وفنون سے فراغت کے بعد حضرت

علامہ بلیاویؒ نے اپنے منظور نظر شاگرد رشید کو حضرت تھانوی کے اجل خلفاء میں سے حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نوراللہ مرقدہ کی خدمت میں ایک خط لکھ کر بھیج دیا۔

خط کا پس منظر کچھ اس طرح ہے:

(میں نے ان کو علوم ظاہری سے فارغ کر دیا ہے، اب تزکیۂ نفس اور باطنی علوم کی دولت بیش بہا کے لیے آپ کے حوالہ کرتا ہوں اور اس سلسلے میں کوئی شفارس نہیں کرتا) حضرت شاہ صاحب نے خط پڑھنے کے بعد مسکرا کر دل لگی کے طور پر فرمایا کہ یہ سفارش نہیں ہے تو اور کیا ہے، پھر اپنے حلقۂ ارادت میں داخل کیا، حضرت علامہ گورکھپوری بھی جلد ہی اپنے اخلاص وللّٰہیت محنت طلبی اور سخت کوشی کے ذریعے حضرت شاہ صاحبؒ کے بہت قریبی اور نور نظر بن گئے اور حضرت شاہ صاحب کے مزاج سے ایسے ہم آہنگ ہوئے کہ مرید مراد بن گئے، حضرت شاہ صاحب بھی کبھی فرط محبت میں ان کو اپنے سینے سے لگاتے، اور "عِلْم دَر سِینَہ نَہ کہ دَر سَفِینَہ": کے منظر سے ناظرین بہت محظوظ ہوتے، ایک دن فرمایا کہ جب میں کسی کو بیعت کروں تو آپ بھی بیعت ہو جایا کریں؛ چناں چہ حضرت علامہ نے کئی بار اپنے شیخ کے دست حق پرست پر بیعت ہونے کا شرف حاصل کیا، حضرت شاہ وصی اللہ صاحب کے انتقال کے بعد حضرت مولانا شاہ ابرارالحق ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ سے رجوع کیا اور اپنے نفس کو کندن کیا اور سلوک کے منازل طے کرتے رہے، حضرت ہردوئی کی طرف سے اجازت و خلافت کا تاج پہنایا گیا، اس طرح اللہ تعالی نے اکابرین کے روحانی سلسلہ کا تسلسل جاری رکھنے کے لیے حضرت علامہ کی شخصیت کو قبولیت عطا کی، اور آپ کی ذات سے اصلاح خلق کا عظیم کارنامہ سرانجام پایا۔

آپ کو اپنے شیخ ہردوئی کی ذات سے عشق تھا، ان کے ذکر خیر سے زبان ہر لمحہ تر رہتی تھی، حضرت ہردوئی بھی اپنے سچے عاشق اور مخلص طالب کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اپنے سچے سالک کا بڑا احترام اور خیال کرتے، جب حضرت علامہ اپنے شیخ کے پاس ہردوئی آتے، تو حضرت ہردوئیؒ مسجد میں ان سے خطاب کرواتے؛ چناں چہ حضرت علامہ نے اپنے شیخ کے حکم سے کئی قیمتی علمی اصلاحی وعظ کیے، ایک مرتبہ حضرت محی السنۃ ہردوئیؒ اپنے داماد کے یہاں علی گڑھ تشریف لے گئے، تو حضرت علامہ بھی اپنے شیخ کی زیارت سے آنکھوں کو سرور اور دل کو منور کرنے کے لیے عصر کی نماز کے وقت علی گڑھ آپہنچے، آپ نے یہ سوچ کر کے کہ نماز سے فارغ ہو کر شیخ سے ملاقات کرلوں گا؛ لیکن کسی کے توسط سے حضرت ہردوئی کو آپ کی آمد کا سراغ مل گیا، تو فوراً حضرت نے اپنے چہیتے اور لاڈلے

مرید کو بلا کر بڑے پرتپاک انداز سے ملے، اور فرمایا کہ آپ نے اپنی آمد کی اطلاع بھی نہیں کی، عصر کے بعد حضرت مولانا شاہ مسیح اللہ خان صاحبؒ کی نواسی کے نکاح کی مجلس تھی؛ اس لیے حضرت ہردوئی نے نکاح کے عنوان پر خطاب کرنے کا حکم فرمایا، آپ نے اپنے حضرت ہردوئی کے حکم سے ایسا جامع دل نشیں بیان فرمایا کہ خود حضرت ہردوئی سبحان اللہ ماشاء اللہ کہہ کر داد تحسین پیش کررہے تھے، حضرت علامہ کو حضرت ہردوئی کے علاوہ جنید وقت حضرت مولانا وقاری سید محمد صدیق صاحب باندویؒ اور حضرت علامہ ابراہیم بلیاوی نوراللہ مرقدہ، حضرت مولانا محمود صاحب پٹھیڑویؒ جیسے اکابرین سے بھی خلافت حاصل تھی۔

آپ کو اپنے اساتذہ کا اعتماد حاصل تھا، اور آپ کے بزرگوں کو اپنے اس ہونہار لائق روحانی فرزند میں ایک ہمہ جہت شخصیت نظر آتی تھی، اور دیگر اکابرین اور معاصرین بھی آپ کی علمی استعداد اور للّٰہیت اور تقوی کے معترف تھے، اور آپ کے علوم سے استفادہ کرتے تھے؛ چناں چہ اس قسم کا واقعہ ہے کہ 1963 میں آپ حج بیت اللہ کے ارادے سے مکہ تشریف لے گئے، آپ نے وہاں بھی مواعظ کا سلسلہ جاری رکھا، لوگوں کو مناسک حج کی تعلیم دیتے رہے، ایک دن آپ بیان کررہے تھے، دورانِ خطاب کسی نے کوئی علمی اشکال کردیا، حضرت علامہ نے اپنی حاضر جوابی اور علمی استحضاری کی وجہ سے ایسا مسکت جواب دیا کہ ہر کوئی متاثر ہوا، حسنِ اتفاق کہ اس خطاب میں جماعت تبلیغ کے مشہور بزرگ حضرت اقدس مولانا سعید احمد خان صاحبؒ بھی موجود تھے، وہ یہ سارا ماجرا دیکھ کر حضرت علامہ کی علمی قابلیت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، بیان کے بعد حضرت علامہ سے مل کر ان کو داد پیش کی، اور اگلے روز اپنے یہاں ناشتے کے لیے مدعو کیا، اور جاتے ہوئے ایک جگہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ آئندہ ہمیشہ اس جگہ آپ کا بیان ہوا کرے گا؛ چناں چہ حضرت علامہ نے حضرت مولانا سعید احمد خان صاحبؒ کے حکم سے مسلسل دو ماہ تک حرم کی بابرکت اور نورانی فضا میں وعظ ونصیحت کا سلسلہ جاری رکھا۔

آپ نے اپنے اکابرین اور بزرگوں سے جو علمی وعملی وراثت اخذ کی تھی، اس کو اپنی ذات کی حد تک محدود نہیں رکھا، بل کہ اس امانت کو دوسروں تک منتقل کرنے کے لیے انتھک کوششیں کرتے رہتے تھے، اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد "بلغوا عنی ولو آیة" کے تقاضے پر عمل پیرا رہتے تھے، گاہ بہ گاہ دور دراز ملکی غیر ملکی اسفار پر جاتے، اور خلق خدا کو قرآنی اور نبوی تعلیمات کی روشنی میں وعظ فرماتے، کئی بار انگلینڈ تشریف لے گئے، اندورن ملک تقریباً تمام صوبوں میں آپ کے خطابات سے

عظیم دینی فائدہ محسوس ہوا، آپ کے بیان میں جم غفیر امڈ پڑتا تھا، جو عنداللہ مقبولیت کی دلیل تھی، کئی بار دارالعلوم پوکرن جیسلمیر راجستھان تشریف لائے اور اپنے فیض سے یہاں کے ریگ رازوں کو منور کیا، عمر کے آخری کئی سال صوبۂ مدراس کے علاقے آمبور کی ''مسجد ہاشم'' میں رمضان کے آخری عشرے کا اعتکاف کیا، اس دوران آپ کے کئی وعظ ہوئے، ہزاروں بندگان خدا نے آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوکر سلوک کے منازل طے کیے اور اپنے دلوں کی میل کچیل کو صاف کیا، دیوبند کے اندر مسجد طیب میں بعد نماز عصر آپ کی اصلاحی مجلس ہوا کرتی تھی، جس میں حضرت تھانوی کی اصلاحی باتیں ارشاد فرماتے، اکثر کسی کتاب سے اصلاحی مضمون پڑھا جاتا تھا، اس مجلس میں دارالعلوم دیوبند کے طلبہ کے علاوہ دوسرے مدارس کے طلبہ بھی شریک ہوتے اور حضرت کے ملفوظات سنتے۔

حضرت علامہ سے گفت وشنید کا پہلا موقع

بہ فضلہ تعالی درس نظامی کے پہلے ہی سال ان اساتذہ کے سامنے بیٹھ کر پڑھنے کا موقع ملا، جو علامہ قمرالدین صاحبؒ کے خوشہ چیں اور ان کے فیض یافتگان تھے، ان اساتذہ کی زبانی دارالعلوم دیوبند کا مسلسل تذکرہ سنتے رہنے کی وجہ سے دارالعلوم دیکھنے اور وہاں کے علمی ماحول میں پڑھنے کا شوق انگڑائی لیتا رہتا تھا، جب مادر علمی دارالعلوم پوکرن میں داخل ہوئے، یہاں جن اساتذہ دارالعلوم دیوبند کا تذکرۂ خیر بہ کثرت سننے کو ملتا تھا، ان میں سرفہرست علامہ قمرالدین نوراللہ مرقدہ کا ذکر خیر بھی ہوتا تھا، دارالعلوم پوکرن کے طلبہ دارالعلوم دیوبند میں داخلے کے لیے ہمہ وقت درسی تیاریاں کرتے نظر آتے تھے، دیر گئے رات مصروف محنت ہوتے، گویا قاسمیت کا انتساب ان کے لیے دنیا میں جنت سے کم نہیں ہے، اس کے پیچھے اساتذہ دارلعلوم پوکرن کی ترغیب وتشویق تازیانہ کام کرتی تھی، یہ سب منظر دیکھ کر مزید شوق کو مہمیز لگی، دارالعلوم دیوبند جانے کا اشتیاق شدت کے ساتھ پروان چڑھنے لگا، چناں چہ دارالعلوم پوکرن میں درس نظامی کا جاری نصاب مکمل کرنے کے بعد اللہ تعالی نے دارالعلوم دیوبند جانے کے اسباب پیدا فرمادیے، دارالعلوم دیوبند کو دیکھنے کا ایک پرانا خواب شرمندۂ تعبیر ہونے پر جو دلی کیفیت تھی، اس کو الفاظ میں بیان کرنے سے بے سواد کا قلم قاصر ہے، دارالعلوم دیوبند میں داخلے کے لیے حاضر ہوئے ہزاروں طلبہ کے ساتھ عاجز بھی شریک امتحان ہوا، الحمدللہ اساتذہ اور والدین کی دعاؤں کے طفیل ان ہزاروں طلبہ میں کام یاب ہونے والے سیکڑوں خوش قسمت طلبہ میں عاجز کے نام بھی قرعۂ فال نکلا، دارالعلوم دیوبند میں قدیم طلبہ میں جو محبوبیت مقبولیت علامہ قمرالدین نوراللہ مرقدہ کے تئیں محسوس ہوتی تھی اور طلبہ کے دلوں میں جو

عقیدت وعظمت حضرت علامہ کو حاصل تھی، وہ دوسرے اساتذہ کے بالمقابل کچھ زیادہ تھی، اس کے پیچھے جہاں ان کے تقوی اور للّٰہیت کا عنصر کارفرما تھا، وہیں اس کا سبب یہ تھا کہ دارالعلوم میں اکثر اساتذہ ان کے شاگرد تھے، وہ کئی نسلوں کے ایک بافیض معلم ومربی تھے، حضرت علامہ ان سعادت مند اکابرین میں سے تھے جن سے دو تین نسلوں نے علم دین حاصل کیا، اور اس مقبولیت کا اہم راز یہ بھی تھا کہ ان کو حضرت مدنیؒ کی شاگردی کا شرف حاصل تھا، یہ اعزاز ان کو دیگر تمام اساتذۂ دارالعلوم دیوبند سے ممتاز اور نمایاں کر دیتا تھا، بایں وجہ وہ دارالعلوم میں بالخصوص اور ہند اور بیرون ہند میں بالعموم بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

دارالعلوم میں پہلے سال حضرت علامہ سے باقاعدہ پڑھنے کا شرف حاصل نہیں ہوا، بس دور سے ہی زیارت کا شرف حاصل ہوجاتا، ایک نو وارد طالب علم کے لیے حضرت علامہ جیسی بھاری بھرکم شخصیت سے بغیر کسی تقریب کے تعارف وتعریف کرنے کا اقدام کرنا خارج از بس تھا، دارالحدیث آتے اور جاتے صبح کی تفریح میں ٹہلتے نظر پڑ جاتی، ان کے لیے دل میں عقیدت ومحبت کے جذبات پیدا ہوجاتے، ان کے نورانی چہرے کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے کے علاوہ مصافحہ اور سلام پیش کرنے کی سعادت سے محرومی کا احساس باعث تکلیف ہوتا تھا، موقع کی تلاش ہوتی کہ حضرت سے مصافحہ کرنے کی تمنا برآئے، اسی انتظار میں دن کاٹتے کاٹتے سال ہفتم عربی میں ششماہی تعطیلات میں گھر آنا ہوا، دارالعلوم واپسی پر مادرعلمی دارالعلوم پوکرن کے اساتذہ سے ملاقات کے لیے پوکرن آیا، نہیں معلوم تھا کہ دارالعلوم پوکرن میں یہ عقیدت مندانہ حاضری علامہ سے ملاقات اور ان سے تعارف کا پیش خیمہ ثابت ہوگی؟ ہوا یوں کہ دارالعلوم پوکرن کے سابق استاذ مولانا رئیس الدین صاحب زید لطفہم ساؤندی کا علامہ سے گہرا ربط تھا، بل کہ مولانا حضرت علامہ سے بیعت اور ان کے مجاز تھے، انھوں نے اپنے شیخ کے لیے پوکرن کی مشہور مٹھائی اور بیکانیر کی نمکین ہدیہ کے طور پر عاجز کے ساتھ ارسال کی، مت پوچھیے، خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا کہ اس بہانے حضرت علامہ سے ملاقات اور زیارت کا دیرینہ خواب پورا ہوگا؛ چناں چہ حضرت علامہ سے ملنے کا خیال دماغ پر اتنا سوار ہوا کہ پوکرن سے دیوبند تک سفر کی طوالت پریشان کن نہ ہوئی، دارالعلوم پہنچنے کے بعد کسی ساتھی سے حضرت کے دولت کدے کا پتہ معلوم کرکے بعد نماز عشا جا پہنچا، حضرت کی عمومی بیٹھک کے سامنے نصب شدہ گھنٹی بجا کر سراپا شوق بن کر دروازہ کھلنے کا منتظر تھا، تھوڑی دیر بعد حضرت بہ نفس نفیس باہر تشریف لائے، تھوڑے سے تعارف کے بعد اندر آنے کی اجازت مل گئی، حضرت نیم دارز ہوکر لیٹ گئے، تعارف کا

سلسلہ آگے بڑھا، عاجز نے اپنے تعارف میں دارالعلوم پوکرن اور عارف باللہ حضرت مولانا وقاری محمد امین صاحب دامت برکاتہم کی شاگردی کا تذکرہ کیا، بہت خوشی کا اظہار کیا، عاجز کو محسوس ہوا کہ حضرت علامہ دارالعلوم پوکرن اور حضرت قاری صاحب کے تذکرہ سے بے حد خوش ہوئے ہیں، عاجز نے اپنے ساتھ لائی امانت کو مُرسِل کا نام بتا کر حضرت کو حوالے کرتے ہوئے واپسی کی اجازت چاہی، حضرت نے مُہدِی کے شکریہ کے ساتھ مٹھائی لیتے ہوئے فرمایا کہ تم ہر روز عشا بعد آجایا کرو، حضرت کے اس مشفقانہ حکم سے کتنی مسرت ہوئی، اب اس کو بیان کرنے کے لیے الفاظ کی دنیا چھوٹی پڑ گئی ہے؛ چناں چہ اس روز سے اگلے سال تک حضرت کے یہاں بلا ناغہ حاضری کا شرف حاصل رہا، ڈیڑھ سال تک حاضر باشی اور خدمت گزاری کا دورانیہ اپنی زندگی کے حسین ادوار میں ایک ایسا دور ہے، جس کی یادیں باتیں ہمیشہ یاد رہیں گی۔

بلا ناغہ عشاء بعد حاضری کو لازم کرلیا تھا، حضرت کے یہاں طلبہ کا رجوع عام تھا، عمومی بیٹھک کچھا کھچ طلبہ سے بھری رہتی تھی، بعض مہمان بھی حضرت سے ملنے اور ان سے دعا لینے کے لیے عقیدت مندانہ حاضری دیتے تھے؛ لیکن اکثر طلبہ ایک دو دن کے وقفے سے آیا کرتے تھے، روزانہ حاضر ہونے والے طلبہ میں عاجز کو اللہ نے یہ شرف عطا کیا تھا کہ ان سے بھی حاضری میں عاجز سبقت لے جاتا، اس لیے حضرت کی طرف سے اس عاجز کو خصوصی توجہ حاصل ہوگئی، ہر چھوٹی بڑی خدمت کے لیے عاجز کو حکم کرتے، سر میں مالش کرنا، تلووں پر تیل لگانے کی خدمت عاجز کے سپرد تھی، حضرت بروقت حاضری سے بہت خوش ہوتے تھے، گو اس کا زبان سے اظہار کبھی نہیں کیا، ایک روز بارش والے دن بھی حاضر خدمت ہوگیا، کپڑے بھیگ گئے، حضرت نے مسرت اور استعجاب کی کیفیت میں فرمایا: ابے! بارش میں بھی غیر حاضری نہیں کی؟ اس دن حضرت کے چہرے پر خوشی کے آثار محسوس ہوئے، حسبِ توفیق خدمت کر کے حضرت علامہ کی دعاؤں کے ساتھ شیخ الاسلام منزل میں واقع اپنی قیام گاہ واپس ہوا، حضرت رجستھان کے کلچر اور اس کی پرانی ثقافت کا بہت تذکرہ کرتے، راجستھانی لوگوں کی تہذیب اور اس سادھے پن، اور بے تکلّفانہ زندگی بسر کرنے کے طور طریق کے متعلق منھ پر تعریفی کلمات ارشاد فرماتے، خدمت میں حاضر طلبہ سے عاجز کے متعلق کہتے کہ یہ راجستھانی ہے، اس کے یہاں پانی کی قلت، ریت کی کثرت، جنگلی ہرن کی بُہتات ہے، حضرت کو ہرن کا گوشت بہت مرغوب تھا؛ لیکن محرومی ایسی کہ ہزار چند تمنا کے باوجود بھی حضرت کے لیے ہرن کا گوشت لانے کی کوئی سبیل نہیں نکال پایا، یہ خواہش راکھ کے نیچے سلگتے انگارے کی طرح

دل میں مچلتی رہی تھی، بارہا عارف باللہ حضرت مولانا وقاری محمد امین صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی نیکی پارسائی، خدا ترسی کا تذکرہ کیا، اور فرماتے کہ وہ راجستھانی میرے پہلے شاگرد ہیں، حضرت قاری صاحب نے علامہ کے پاس سالِ ہفتم عربی میں ہدایہ رابع پڑھی تھی۔

موسم گرما میں حضرت کا معمول بالائی منزل کی چھت پر سونے کا تھا، حضرت ہر سال دو مخلص معتمد طالب علموں کو اپنی خدمت کے لیے منتخب کرتے، وہ بھی چھت پر حضرت کے دائیں بائیں سوتے تھے، ان کے ذمے کمرے سے چارپائی نکال کر متعین جگہ پر بچھا کے بستر لگانا، اور اس کے اوپر مچھر دانی لگانے کا کام ہوتا تھا، اور ''الیکٹرک مچھر مشین'' کے ذریعے مچھروں کا کام تمام کرنے کی بھی ڈیوٹی ہوتی تھی، حضرت کو گھٹنوں میں شدید درد رہتا تھا، سیڑھیاں اترتے چڑھتے کافی درد محسوس کرتے تھے، اس لیے فجر کی نماز باجماعت چھت پر ہی ان دو طلبہ کے ساتھ ادا کرتے، سالِ ہفتم عربی میں حضرت نے اس خدمت کے لیے عاجز کا انتخاب کیا، حسب معمول عشا بعد حضرت کی خدمت میں موجود تھا کہ حضرت نے فرمایا کہ کل سے تم کو یہیں سونا ہے، یہ حکم سننا تھا کہ خوشی کی انتہا نہ رہی، دل باغ باغ ہوگیا، عاجز کے ساتھ ایک حیدرآباد کے طالب علم کو حضرت نے متعین کیا تھا، اگلے روز حضرت کے یہاں رات کو رہنے لگا، سالانہ چھٹیوں تک تقریباً تین ساڑھے تین ماہ تک یہ شرف حاصل رہا کہ تھوڑے سے فاصلے پر اس ہستی کے قریب رات گزارنے کا حسین موقع مل گیا، جس کے دیدار کے لیے ہزاروں آنکھیں ترستی تھیں، ایک نظر دیکھنے اور مصافحے کا شرف حاصل کرنے کے لیے ہزاروں نفوس تڑپتے تھے، اللہ تعالیٰ نے قریب سے حضرت کے شبینہ معمولات کو دیکھنے کا موقع دیا، حضرت سونے سے پہلے مسنون دعاؤں کا بہت اہتمام کرتے، کافی دیر بیٹھ کر اذکار پڑھتے تھے، دائیں کروٹ لیٹ کر ذکر کرتے کرتے سو جاتے، اگر مچھر دانی میں مچھر بولتا تو حضرت زور سے فرماتے: او راجستھانی! سنو یہ مچھر بول رہا ہے، فوراً اٹھ کر مچھر مار مشین لے کر اس کو کیفر کردار تک پہنچا کر واپس آکے سو جاتا، ہائے! جیتے جی قال اللہ وقال الرسول کا ورد کرنے والی شیریں زبان سے ''او راجستھانی'' کی مٹھاس بھری پکار اب دوبارہ سننے کو نہیں ملے گی، حضرت صبح سویرے اٹھ کر تہجد پڑھتے تھے، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ حضرت کی نماز تہجد قضا ہوئی ہو، تہجد سے فارغ ہوکر دستی لائٹ سے شیخ الہند کا ترجمہ دیکھ کر تلاوت کرتے تھے، ہم دونوں جو سست لاپرواہ ہوتے کہ حضرت کے پاس پڑے میٹھی نیند لیتے رہتے، فجر کی اذان پر حضرت ہمیں جگاتے، اٹھ کر ضروریات سے فارغ ہوکر سنت پڑھ کر ہم دونوں میں سے کوئی امامت کرتا، عاجز نے بھی کئی بار فجر کی نماز پڑھائی، اس تعلق سے ایک قصہ بھی ملاحظہ کرتے

چلیے: ایک روز حضرت نے امامت کے لیے آگے بڑھایا، بعد نماز تسبیحات سے فارغ ہوکر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور دوران دعا انگلیاں چٹخانے اور انگلیاں ایک دوسرے میں داخل کرنے کا جرم بے خبری سے صادر ہوگیا، بس کیا تھا حضرت نے گرج دار آواز میں تنبیہ کرتے ہوئے آئندہ اس قسم کے ناشائستہ عمل کے ارتکاب سے گریزاں رہنے کی سخت الفاظ میں تاکید فرمائی۔

حضرت اپنے جسم اور حفظان صحت کا بہت خیال رکھتے تھے، شوگر کی وجہ سے میٹھا کھانا بالکل چھوڑ دیا تھا، باسی چیزیں کھانے سے گریز کرتے تھے، صبح ناشتے میں کم میٹھی چائے کے ساتھ تازہ ڈبل روٹی استعمال کرتے تھے، اس کے لیے عاجز کو دکان بھیجتے اور تاکیداً تازہ نان اور پاؤ لانے کا حکم فرماتے، اللہ پاک نے اس خدمت کا موقع فراہم کیا، کئی ماہ تک یہ خدمت عاجز نے انجام دی، ایک روز دکان والے نے کچھ تاخیر سے دکان کھولی، کافی دیر کے بعد بھی میں واپس نہیں پہنچ سکا، خود حضرت گھر سے نکل کر دکان کی طرف آنے کے لیے راستے ہی میں تھے، راستے میں حضرت کا سامنا ہوگیا، تھوڑے کرخت لہجے میں سبب تاخیر معلوم کی، چوں کہ تاخیر کا معقول عذر تھا؛ اس لیے مزید کچھ نا کہتے ہوئے گھر کو روانہ ہوگئے۔

اگلا سال دورۂ حدیث کا تھا، یہ سال درسی گہما گہمیوں اور تکمیل نصاب کی فکرمندیوں سے بھرپور ہوتا ہے، دورۂ حدیث کے اسباق میں پابند طلبہ محفل یاراں میں خوش گپیوں کے چسکے سے محروم ہوجاتے ہیں، جب دیکھو کلاس میں موجود، یا ادھر ادھر سے کتاب بغل میں دبائے ہوئے تیز رو درس گاہ کی طرف بھاگے جارہے ہیں، عصر اور عشا بعد بھی درسی مصروفیت ان کو بزم آرائیاں، اور ہوٹلوں میں احباب کے ساتھ چائے کی چُسکیاں بھلا دیتی ہے، عاجز عشا بعد گھنٹے میں شریک ہونے کے بعد التزاماً حضرت علامہ کے یہاں حاضری دیتا تھا، حسب توفیق خدمت کرتا، اگرچہ حاضری کم وقت کے لیے ہوتی تھی؛ لیکن حضرت کی طرف سے حسب سابق عنایت اور محبت کا معاملہ رہا، تعلق میں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں آئی، چناں چہ بقرعید کے موقع پر حضرت نے عاجز سے وطن مراجعت کے تعلق سے پوچھا، عاجز نے گھر جانے کی خواہش ظاہر کی، فرمانے لگے: دارالعلوم میں آئے ایک ماہ ہوا ہے، بار بار گھر جانا مناسب نہیں ہے، میں اپنے آبائی وطن گورکھپور عید کا تہوار اپنے اعزہ واقربا کے ساتھ منانے کے لیے جارہا ہوں، تم میرے گھر پر قیام کرو، اس کی صفائی ستھرائی، اور چھت پر لگائے گملوں کی دیکھ ریکھ کرتے رہو؛ چناں چہ عاجز نے حضرت کے حکم پر گھر کا ارادہ ملتوی کردیا، پورے پندرہ دن حضرت کے مکان میں قیام کی سعادتیں حاصل کرتا، کھانا سونا مطالعہ حضرت کے دولت کدے پر ہوتا تھا،

پورے گھر کی بڑے اہتمام سے صفائی کرتا تھا، حضرت نے گورکھپور جانے سے ایک روز قبل بعد نماز عشا فرمایا: عید کے روز حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب کے صاحب زادے جناب مولانا محسن صاحب کے پاس جا کر قربانی کے بکرے کا گوشت لا کر فریج میں رکھ دینا، اور حضرت نے اپنے لیٹر پیڈ پر عاجز کے نام فارم نمبر اور درجے کے ساتھ ایک درخواست ان کے نام لکھ کر عاجز کو سپرد کی، عید آنے تک حضرت کی لکھی ہوئی تحریر نا جانے کتنی بار پڑھ کر خوش ہوا، اس میں حضرت کے ہاتھ سے تحریر کردہ اپنا نام دیکھ کر جھوم جاتا تھا، آنکھیں خوشی کے آنسو سے بھر جاتی تھیں، عید کے روز حضرت مدنی دامت برکاتہم کے گھر جا کر مولانا محسن صاحب کو حضرت کا خط حوالہ کیا، انھوں نے خط دیکھ کر تقریباً پانچ چھ کلو گوشت دیا، اٹھا کر فریج میں رکھ دیا، حضرت کے کچھ پڑوسیوں نے بھی ہدیۃً حضرت کے لیے گوشت دیا تھا۔

یہاں ایک لطیفہ بھی پڑھتے جایئے: جس سے آپ عاجز کے دیہاتی پن اور گنوار پن کا اندازہ لگا سکیں گے، عاجز ٹھیٹھ دیہاتی اور بنجر علاقہ کا باسی تھا، جس کے یہاں اُس زمانے میں فریج کولر کا دور دورہ نہ تھا، پنکھے وغیرہ کی بھی سہولیات نہیں پائی جاتی تھیں، لوگ مٹی کے برتنوں میں پانی کو ٹھنڈا کرنے کا انتظام کرتے تھے، ہوا خوری کے لیے گھنے سایہ دار درختوں کا سہارا لیتے تھے، اگرچہ اب سیم وزر کی بُہتات نے دیہاتوں میں شہروں کی سی رونق پیدا کر دی ہے، مال کی فراوانی نے شہری اور دیہاتی میں امتیاز باقی نہیں رکھا ہے، یادش بہ خیر: عاجز نے وہ گوشت فریج میں رکھ دیا، کئی دن بعد جب فریج کھولا تو کیا دیکھتا ہوں کہ سارا گوشت برودت کی وجہ سے جم کر پتھر سا ہو گیا ہے اور اتنا سخت ہو گیا کہ ہاتھ کے زور سے بھی دبتا نہیں، بہت گھبرایا، دل میں بہت خوف محسوس ہوا کہ سارا گوشت خراب ہو گیا ہے، حضرت نے بڑے اہتمام سے گوشت منگوا کر فریج میں رکھنے کا فرمایا تھا، واپسی پر یہ سب ماجرا دیکھ کر حضرت کو بہت تکلیف ہوگی، حضرت کی طرف سے سخت ڈانٹ ڈپٹ اس کے علاوہ، اس طرح کے خیالات کا ہجوم تھا، بہت قلق اور پریشانی کے عالم میں رہنے لگا، جیسے جیسے حضرت کی آمد کے دن قریب آتے گئے، قلق بڑھتا گیا، ایک روز کسی قریبی ساتھی سے اس تکلیف کا اظہار کیا، اس نے میرے چہرے پر چھائی مرجھاہٹ کو دیکھتے ہوئے ہم دردی کا اظہار کیا، اور حضرت کے مکان پر آ کر صورت حال کا جائزہ لیا، اس نے مجھے بڑی حیرت زدگی کے ساتھ دیکھ کر کہا: کہ بھائی! فریج میں رکھے گوشت کا یہی حال ہوتا ہے، اس میں گھبرانے کی کوئی بات نہیں، خیر خدا اس ساتھی کا بھلا کرے، اس نے تشفی بخش باتوں سے تسلی دی، پندرہ دن حضرت اپنے آبائی وطن رہ کر واپس تشریف لائے، گھر کا حال دیکھ

کرخوشی کا اظہار کیا اور یوم عاشورا، کو حضرت نے اس گوشت سے شان دار بریانی سے اپنے چار پانچ مخصوص طلبہ کے ساتھ عاجز کی ضیافت کی، مقررہ وقت پر پہنچنے میں کچھ تاخیر سی ہوگئی تھی، اپنی قیام گاہ سے نکل کر حضرت کے دولت کدہ کی طرف بہ تمام عجلت دوڑا جارہا تھا، بیچ راستے میں ہی حضرت کی کال آگئی، اور پیار بھرے انداز میں فرمایا: راجستھانی! جلدی آجا، مدعو طلبہ عاجز سے پہلے ہی پہنچ چکے تھے، دسترخواں پر بریانی کے ساتھ سلاد وغیرہ بھی کافی مقدار موجود تھا، حضرت نے تاخیر پر مزاح کے ساتھ ڈانٹ پلائی، زہے مقدر دسترخواں پر حضرت کے پاس ہی بیٹھنا نصیب ہوا، حضرت بھی طلبہ کی رعایت میں تناول کرتے رہے، عاجز کی طرف سے حضرت کو کچھ تکلف محسوس ہوا، پیٹھ تھپ تھپا کر فرمایا: راجستھانی کھاؤ اور اپنے ہاتھ سے بریانی میں دبی بوٹیاں نکال کر سامنے رکھنے کا منظر اب جب آنکھوں کے سامنے گھومنے لگتا ہے، تو آنکھوں کے ساتھ دل بھی روتا ہے، اب حضرت کی نورانی مجلسوں میں حاضری کو دیکھنے کے لیے آنکھیں اور ان کے مٹھاس بھرے انداز گفتگو کو سننے کے لیے کان ترس رہے ہیں، اب کہاں حضرت؟ کہاں ان محفلوں کی رونق! جس میں حضرت کی موجوگی خوش نما منظر قائم کرتی تھی، حضرت اب ہم سے اتنے دور جاکر اس جہاں کے باسی ہوگئے، جہاں سے کوئی لوٹ کر نہیں آیا اور نہ آئے گا۔

بس باقی رہے نام اللہ کا!

* * *

حدیث کی حجیت: قرآن کے بعد مصدرِ ہدایت

از: مولانا محمد راشد شفیع

حدیث اسلام کا دوسرا اہم ترین ماخذ ہے جو قرآن کریم کی تشریح اور وضاحت کے لیے بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کی زندگی، اقوال، افعال اور تقریرات کو حدیث کے ذریعے محفوظ کیا گیا، جو دین کے ہر پہلو کی وضاحت کرتی ہے۔ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر نبی ﷺ کی اطاعت کو فرض قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "من یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ" (النساء:80)۔ یہ آیت واضح کرتی ہے کہ رسول کی اطاعت، درحقیقت اللہ کی اطاعت ہے اور یہ اطاعت حدیث کے ذریعے ہی ممکن ہے۔

قرآن کریم کے متعدد احکامات ایسے ہیں جن کی تفصیل حدیث کے بغیر ممکن نہیں، مثلاً نماز کے اوقات، رکعات اور طریقۂ کار، زکوٰۃ کی مقدار، روزے کے مسائل اور حج کے ارکان۔ اگر صرف قرآن پر اکتفا کیا جائے تو ان تمام احکام کو عملی زندگی میں نافذ کرنا مشکل ہو جائے گا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "الا انی اوتیت القرآن ومثلہ معہ" (سنن ابوداؤد:4604)۔ اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کو قرآن کے ساتھ اس کی تشریح کا علم بھی دیا گیا۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حدیث کو عملی زندگی میں نافذ کیا اور اس پر عمل کر کے امت کے لیے نمونہ پیش کیا۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "کل ما حکم بہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فھو مما فھمہ من القرآن" (الرسالۃ، ص:39)۔

یہ قول اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ہر فیصلہ اور حکم قرآن کریم کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ امام شافعی مزید فرماتے ہیں: "لیس لأحد أبداً أن یقول شیئاً خلاف سنۃ رسول اللّٰہ" (الرسالۃ، ص:85)۔

یہ قول واضح کرتا ہے کہ حدیث شریعت کا ایسا مصدر ہے جس کی مخالفت کسی کے لیے جائز نہیں، کیونکہ نبی ﷺ کی سنت قرآن کی عملی تعبیر ہے۔

علاوہ ازیں، حدیث قرآن کی ناسخ اور مفسر بھی ہے، جو متشابہات کو واضح کرتی ہے۔

حدیث کے حجت ہونے پر امت کا اجماع ہے، اور اسے ترک کرنے والا گمراہی میں مبتلا ہوسکتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: "ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما: کتاب اللّٰہ و سنتی" (موطا امام مالک:1594)۔ یہ حدیث بتاتی ہے کہ قرآن اور سنت دونوں دین کے ستون ہیں، جنہیں تھامے بغیر ہدایت ممکن نہیں۔

قرآن کریم سے حدیث کی حجیت پر کئی دلائل موجود ہیں، ذیل میں پانچ اہم دلائل تشریح کے ساتھ ذکر کیے جاتے ہیں:

۱-اطاعت رسول کا حکم

اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں: "مَن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ" (النساء:80)

ترجمہ: ''جس نے رسول کی اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی۔''

تشریح: اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ اگر حدیث (رسول کی بات) حجت نہ ہو تو اس اطاعت کا کوئی مفہوم باقی نہیں رہتا۔

۲-رسول کو تشریح کا ذمہ دار بنانا

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ" (النحل:44)

ترجمہ: ''اور ہم نے آپ پر ذکر (قرآن) نازل کیا؛ تاکہ آپ لوگوں کے لیے وضاحت کریں جو ان کی طرف نازل کیا گیا ہے۔''

تشریح: قرآن کو سمجھانے اور اس کی تشریح کرنے کا کام رسول اللہ ﷺ کے سپرد کیا گیا ہے اور یہ تشریح حدیث کی صورت میں محفوظ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے ساتھ حدیث بھی حجت ہے۔

۳-رسول کو بہترین نمونہ قرار دینا

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" (الاحزاب:21)

ترجمہ: ''یقیناً رسول اللہ میں تمہارے لیے بہترین نمونہ موجود ہے۔''

تشریح: اگر رسول اللہ ﷺ کے اعمال اور اقوال (حدیث) حجت نہ ہوں تو ان کی زندگی کو نمونہ

ماننے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ یہ آیت واضح کرتی ہے کہ سنت رسول حجت ہے۔

۴-اختلافات کے وقت رسول کی طرف رجوع کا حکم

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ" (النساء:59)

ترجمہ: ''پھر اگر تم کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ۔''

تشریح: اختلاف کی صورت میں قرآن اور رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کرنے کا حکم ہے۔ اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حدیث بھی دین کے فیصلوں کے لیے حجت ہے۔

۵-رسول کی مخالفت پر سخت وعید

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ" (النور:63)

ترجمہ: ''پس وہ لوگ جو اس کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں، ڈریں کہ کہیں وہ کسی فتنے میں نہ پڑ جائیں یا ان پر دردناک عذاب نہ آ جائے۔''

تشریح: یہ آیت واضح کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے احکام کی مخالفت کرنا گمراہی اور عذاب کا سبب بن سکتا ہے۔ اگر حدیث حجت نہ ہوتی تو اس مخالفت پر ایسی سخت وعید نہ آتی۔

احادیث مبارکہ سے بھی ہمیں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ قران کریم کی طرح حدیث بھی شریعت مطہرہ میں حجت ہے، ذیل میں چند احادیث پیش کی جاتی ہیں۔

۱- قرآن وحدیث دونوں پر عمل کی تاکید

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله عنه، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "تَرَكْتُ فِيكُمْ شَيْئَيْنِ، لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُمَا: كِتَابَ اللَّهِ وَسُنَّتِي." (موطأ امام مالك:1661)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، جب تک تم ان دونوں کو تھامے رکھو گے، کبھی گمراہ نہیں ہوگے: اللہ کی کتاب اور میری سنت۔''

۲-رسول کی اطاعت فرض ہے

عَنْ أَنَسٍ رضى الله عنه، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ، وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللَّهَ". (صحيح بخارى:2956، صحيح مسلم:1835)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس نے میری اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی، اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔''

۳-حدیث کا مقام قرآن کے ساتھ

عَنْ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِی كَرِبَ رضی اللّٰہ عنہ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَلَا إِنِّي أُوتِيتُ الْكِتَابَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ". (سنن أبو داود:4604، مسند احمد:16546)

ترجمہ: حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''خبردار! مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اسی جیسا (یعنی حدیث) بھی دیا گیا ہے۔''

۴-قرآن کی وضاحت کے لیے حدیث ضروری

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: "كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ". (صحيح مسلم:746، مسند احمد: 25346)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا: ''نبی کریم ﷺ کا اخلاق قرآن تھا۔''

۵-حدیث کے بغیر شریعت ناقص

عَنْ أَبِي رَافِعٍ رضی اللّٰہ عنہ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا أُلْفِيَنَّ أَحَدَكُمْ مُتَّكِئًا عَلَى أَرِيكَتِهِ، يَأْتِيهِ الْأَمْرُ مِنْ أَمْرِي، مِمَّا أَمَرْتُ بِهِ أَوْ نَهَيْتُ عَنْهُ، فَيَقُولُ: لَا نَدْرِي، مَا وَجَدْنَا فِي كِتَابِ اللَّهِ اتَّبَعْنَاهُ". (سنن أبو داود:4605، سنن ترمذی:2663)

ترجمہ: حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں تم میں سے کسی کو اس حال میں نہ پاؤں کہ وہ اپنی مسند پر ٹیک لگائے بیٹھا ہو اور جب میرے کسی حکم یا ممانعت کی بات اس کے پاس پہنچے تو کہے: ہم نہیں جانتے، ہم تو صرف وہی مانیں گے جو اللہ کی کتاب میں ہے۔''

ان مذکورہ احادیث کا خلاصہ یہ ہے:

نبی کریم ﷺ نے قرآن اور سنت دونوں کو امت کے لیے ہدایت کا ذریعہ قرار دیا ہے، اور ان پر عمل کو گمراہی سے بچاؤ کی ضمانت دی ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی اطاعت کو اللہ کی اطاعت اور اپنی نافرمانی کو اللہ کی نافرمانی قرار دیا، جس سے حدیث کی حجیت واضح ہوتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ انھیں قرآن کے ساتھ وحی غیر متلو (حدیث) بھی دی گئی، جو دین

کے لیے لازمی ہے۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گواہی کے مطابق، نبی کریم ﷺ کا عمل اور اخلاق قرآن کی عملی تصویر تھا، جو ظاہر کرتا ہے کہ حدیث قرآن کی وضاحت کرتی ہے۔آپ ﷺ نے انکارِ حدیث کو گمراہی اور شریعت کی مخالفت قرار دیا، اور واضح کیا کہ صرف قرآن پر اکتفا کرنا شریعت کو ناقص بنا دیتا ہے۔ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حدیث قرآن کی تکمیل اور تفصیل فراہم کرتی ہے؛اس لیے شریعت میں حدیث کی حجیت بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔

ذیل میں ائمہ سلف کے چند اقوال نقل کیے جاتے ہیں جس سے حدیث کی حجیت کا علم ہوتا ہے:

۱-امام شافعی رحمہ اللہ

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: "الحديث عن رسول الله ﷺ حجة على كل أحد، ومن لم يقبل الحديث فقد كذب الله ورسوله"۔(الرسائل للشافعی،صفحہ 35)''رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہر شخص پر حجت ہے،اور جو حدیث کو نہ قبول کرے،اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو جھوٹا قرار دیا۔''

۲-امام بخاری رحمہ اللہ

امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: "الحديث الصحيح عن رسول اللّٰه ﷺ لا يجوز تركه، بل يجب العمل به"۔(صحیح البخاری،کتاب العلم،حدیث نمبر 120)''رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیث کو چھوڑنا جائز نہیں؛ بلکہ اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔''

۳-امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا: "لا يجوز لأحد أن يترك الحديث الصحيح، ولو خالف رأيه، لأن الحديث حجة"۔(مسائل الإمام أحمد،1/50)''کسی بھی شخص کو صحیح حدیث کو چھوڑنا جائز نہیں،چاہے وہ اس کے اپنے خیال سے متفق نہ ہو،کیونکہ حدیث حجت ہے۔''

۴-ابن تیمیہ رحمہ اللہ

ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا: "الحديث النبوی معصوم من الخطأ، وهو حجة على الخلق فی جميع الأحكام"۔(مجموع الفتاوی،19/98)''نبی ﷺ کی حدیث غلطی سے محفوظ ہے،اور یہ تمام احکام میں مخلوق پر حجت ہے۔''

۵-علامہ ابن قیم رحمہ اللہ

ابن قیم رحمہ اللہ نے فرمایا: "الحديث الصحيح يجب أن يُؤخذ به فی مسائل الدين،

وإن لم یکن موافقًا للقرآن فی الظاهر"۔ (إعلام الموقعین، 1/35) ''صحیح حدیث کو دین کے مسائل میں لیا جانا چاہیے، چاہے وہ ظاہری طور پر قرآن سے متفق نہ ہو۔''

خلاصہ تحریر یہ ہے کہ ''اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنی ہدایت کو مکمل اور ثابت کر دیا ہے اور نبی اکرم ﷺ کی حدیث کو بھی اسی طرح مکمل اور حجت قرار دیا ہے۔ یہ کوئی اتفاقی بات نہیں کہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر نبی ﷺ کی سنت اور حدیث کو بطور حجت پیش کیا گیا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے صحیح طور پر فرمایا کہ حدیث کو رد کرنا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تکذیب کے مترادف ہے۔ اگر ہم دین کے مسائل میں قرآن کے بعد حدیث کو حجت نہ سمجھیں، تو گویا ہم اس کے بنیادی اصولوں کو چھوڑ رہے ہیں، جو کہ دین کے تقاضوں کے منافی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے: "وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا" (الحشر:7)، یعنی جو چیز رسول اللہ ﷺ آپ کو دے دیں، وہ لے لو اور جس سے منع کریں، اس سے رک جاؤ۔ یہ آیت اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ نبی ﷺ کی ہر بات اور عمل پر عمل کرنا لازمی ہے اور یہ عمل دین میں کسی بھی گمراہی کا سبب نہیں بن سکتا۔

امام بخاری رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ جیسے جلیل القدر علماء نے حدیث کو دین کے تمام مسائل میں برتر اور حجت سمجھا ہے۔ ان کے اقوال سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جس طرح قرآن کی تعلیمات پر عمل کرنا ضروری ہے، بالکل اسی طرح نبی ﷺ کی حدیث بھی ہماری زندگیوں کے ہر گوشے میں رہنمائی فراہم کرتی ہے۔

لہٰذا، ہمیں حدیث کی عظمت اور اس کے تقاضوں کو سمجھنا اور اپنی زندگیوں میں اپنانا انتہائی ضروری ہے؛ تاکہ ہم قرآن وسنت کے پیغام کو صحیح طور پر جان سکیں اور اس کے مطابق اپنی زندگی گزار سکیں۔ جب ہم حدیث کو حجت سمجھتے ہیں تو ہم دراصل اس علم کو قبول کر رہے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ہم تک پہنچایا ہے، اور یہی وہ راستہ ہے جو ہماری فلاح وکامیابی کا ضامن ہے۔

* * *

سلفِ صالحین کا منہجِ اختلاف

از: مولانا محمد نعمان خلیل
جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

اس حقیقت کا ادراک ہر ذی شعور طالب علم، عالم اور موجودہ سوشل میڈیائی دور میں ہر عقلمند انسان کو ہونا چاہیے کہ فروعی مسائل میں اختلاف اور مسالکِ فقہیہ میں تنوّع یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور دین اسلام کے زندہ اور تابندہ ہونے کی کھلی دلیل ہے، یہ ہر دور کی عقلی لگاموں کو نصوص کے ساتھ جوڑے رکھنے کا اہم ترین ذریعہ ہے۔ یہ امت مسلمہ کو سمندروں جیسی وسعت عطا کرتا ہے۔

مسائلِ فقہیہ اور دیگر فروعی مسائل میں اختلاف کی بنیاد، صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے ہی میں پڑ چکی تھی، تابعین اور تبع تابعین بھی بعض مسائل میں باہم اختلاف کرتے رہے ہیں، انھوں نے اس اختلاف کو دین کی رحمت، وسعت اور امت کے لیے آسانی کے طور پر سمجھا، مختلف زمانوں میں کئی اہل علم نے ان مسائل میں اختلاف ختم کرکے، امت کو ایک مسئلہ پر جمع کرنے کی کوشش کی؛ مگر جمہور علماءِ سلف اس بات پر راضی نہ ہوئے؛ کیوں کہ اختلاف ایک فطری چیز ہے، اسی طرح ذہنی سطح اور استعداد وصلاحیت کا تفاوت بھی مسلّم ہے۔ حضرت شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ تعالیٰ کا مشہور مقولہ ہے:

السعيُ فی توحيدِ المذاهبِ، وحَمْلِ الناسِ علی واحدٍ منها، جنونٌ أوضلالٌ.

ترجمہ: مسالکِ فقہیہ اور مذاہبِ فرعیہ کو ایک بنانے اور تمام مسلمانوں کو اس ایک پر جمع کرنے کی کوشش حماقت یا راہِ حق سے روگردانی ہے۔ (أدب الاختلاف فی مسائل العلم والدين، ص:۲۷، دار اليسر).

اسی سلسلہ میں ایک شخص نے خلیفۂ راشد حضرت سیدنا عمر بن عبدالعزیز (۱۰۲ھ) رحمہ اللہ تعالیٰ سے عرض کیا:

لو جمعتَ الناسَ على شيءٍ؟ فقال: ما يسرني أنهم لم يختلفوا، قال: ثم كتب إلى الآفاق وإلى الأمصار: ليقض كل قوم، بما اجتمع عليه فقهاؤهم.

ترجمہ: اگر آپ تمام لوگوں ایک ہی عمل پر جمع کردیں (تو زیادہ بہتر ہے)، آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان (فقہاء اور علماء) کے اختلاف نہ کرنے سے مجھے بالکل خوشی نہیں ہوتی (بلکہ ان کے اختلاف سے خوشی ہوتی ہے)۔ بعدازاں آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ماتحت تمام شہروں میں لکھ بھیجا کہ ہر علاقے کے لوگ اسی مسئلہ پر عمل کریں، جس پر وہاں کے فقہاء متفق ہوں۔ (سنن الدارمی، باب اختلاف الفقهاء، الرقم: 652، 489/1، دارالمغنی للنشر والتوزیع، المملكة العربية السعودية، ط: الأولى، 1412هـ)

امام دارالہجرۃ حضرت سیدنا امام مالک (۱۷۹ھ) رحمہ اللہ تعالیٰ نے جب اپنی شہرہ آفاق اور حدیث مبارک کی مقبول ترین کتاب ''الموطا'' مکمل فرمائی، تو اس کا شہرہ ہر جگہ ہونے لگا، خلیفہ وقت (ابوجعفر منصور) نے حج کے سفر کے دوران، ان سے ملاقات کرکے یہ درخواست کی:

ہم چاہتے ہیں آپ کی کتاب کے نسخے لکھوا کر تمام بلادِ اسلامیہ میں پھیلا دیں؛ تاکہ ہر جگہ اسی کے مطابق فیصلہ کیا جائے، آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے دوراندیشی اور مزاجِ نبوت کے عین مطابق فرمایا:

''ایسا ہرگز مت کیجیے! ہر علاقے میں ہم سے پہلے علم پہنچ چکا ہے، انھیں اسی کے مطابق عمل کرنے دیں جو انھوں نے اپنے لیے پسند کیا ہے؛ کیوں کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے اکثر مدینہ منورہ سے نکل کر مختلف شہروں میں جا بسے تھے، کوفہ، بصرہ اور شام ان تمام علاقوں میں صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی کثیر تعداد اور ان کے ساتھ ساتھ حضور ﷺ کا علمی ورثہ پہنچ چکا ہے''۔

(ملخص من الانتقاء فی فضائل الأئمة الثلاثة الفقهاء لابن عبد البر (463هـ)، باب فی رئاسته، ووجاهته فی علم الدين، عند العامة والسلاطين، ص:80، المكتبة الغفورية العاصمة كراتشی، باكستان).

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کا فقہی اختلاف پر خوشی کا اظہار اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی یہ وسعتِ نظری اسی بات کا نتیجہ تھی کہ انھیں مزاجِ نبوت سے شناسائی تھی۔ وہ اسبابِ اختلاف اور مقاصدِ اختلاف سے واقف تھے اور انھیں اختلاف کے رحمت ہونے پر مکمل یقین تھا؛ بلکہ وہ اس اتحاد اور فقہی جمود کو باعثِ فتنہ اور آفت سمجھتے تھے؛ چنانچہ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ جب بھی کسی نے اتحادِ مسالک کی بات کی ہے، اس سے نہ صرف ایک اور مسلک وجود میں آیا؛ بلکہ وہ فتنہ کا باعث اور

امتِ مسلمہ میں انتشار کا سبب بنا ہے۔

ان تمام فروعی اختلافات کے باوجود بنیادی عقائد واحکام میں وہ سب متفق تھے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک درخت کی ٹہنیاں اور شاخیں الگ الگ ہوتی ہیں؛ مگر انھیں قائم رکھنے والا تنا اور ان کی بنیاد وجڑ ایک ہی ہوتی ہے۔

انھیں اختلافات کی بدولت آج بھی دینِ اسلام تروتازہ ہے، اسلامی تعلیمات کی افادیت اور اس میں پنہاں راہنمائی کا عنصر آباد وشاداب ہے اور قیامت تک باقی رہے گا (ان شاء اللہ تعالیٰ) کیوں کہ یہ اختلافات عقلی اور ذہنی شعور کی بڑھوتری کا ذریعہ ہیں۔ نصوصِ شرعیہ کی متنوّع علمی جولانیاں، قرآن کریم اور سنتِ رسول (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کا ہمہ جہتی مطالعہ اور زندگی کے تمام شعبوں کے لیے ان مصادر کی افادیت وجامعیت اسی نظریۂ اختلاف کی دَین ہے۔

لیکن یہ جزوی اختلاف ان علمائے عظام اور ائمہ سلف کے اخلاق وکردار اور باہمی ربط وتعلق میں بگاڑ کا سبب تھا، نہ ہی اس کو بنیاد بنا کر وہ ایک دوسرے کی تحقیر وتنقیص کرتے تھے؛ کیوں کہ انھیں معلوم تھا کہ اجتہادی مسائل میں اختلاف، نفرت وبغض کا سبب نہیں ہوسکتا اور نہ ہی یہ حق وباطل کا معیار ہے، تاریخی روایات میں اگرچہ اختلاف کی وجہ سے جدل وجدال کے کچھ واقعات منقول ہیں؛ لیکن ان واقعات کی شرح فیصد اخلاقی اقدار کے مقابلے میں انتہائی کم ہے؛ لیکن تفرق پسندی کے نتیجہ میں جدلی واقعات کی شہرت زیادہ ہوگئی۔

اس موقع پر امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا واقعہ بیان کرنا انتہائی موزوں معلوم ہوتا ہے، علامہ ذہبی (۷۴۸ھ) رحمہ اللہ تعالیٰ ''سیر اعلام النبلاء'' میں نقل فرماتے ہیں:

قال يونس الصدفي: ما رأيت أعقل من الشافعي، ناظرتُه يومًا في مسألةٍ، ثم افترقْنَا، ولَقِيَنِيْ، فأخذَ بيدي، ثم قال: يا أبا موسى، ألا يستقيم أن نكون إخوانًا وإن لم نَتَّفِقْ في مسألة. (سير أعلام النبلاء للذهبي، ١٠: ١١، مؤسسة الرسالة)

ترجمہ: حضرت یونس صدفی رحمہ اللہ تعالیٰ (یہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد اور ہم عصر تھے) فرماتے ہیں: میں نے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کسی کو عقل مند نہیں دیکھا، ایک دن ہمارا کسی مسئلہ میں مناظرہ ہوا، (جس پر اتفاق نہیں ہوسکا) اور ہم جدا ہوگئے۔ پھر وہ (بعد میں) مجھ سے ملے، میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: اے ابوموسیٰ! کیا یہ رویہ درست نہیں کہ ہم بھائی بھائی ہوجائیں، اگرچہ ہمارا مسائل میں اختلاف ہو۔

یہ سلف صالحین کا عملی نمونہ ہے، جو فروعی اختلاف اور معاشرتی بھائی چارگی کا حسین امتزاج ہے، موجودہ علمی ماحول، فقہی مسائل اور عام خاندانی اور معاشرتی زندگی میں اس جذبہ کی بہت ضرورت ہے کہ مسائل میں اختلاف تفرق، انتشار، ذہنی کڑھن اور دلی بدگمانی کا باعث نہیں ہونا چاہیے۔ یہ ماحول پیدا کرنے کے لیے مستقل ایک فکر، محنت اور دعوت کی ضرورت ہے۔

اس طرح کے اور کئی واقعات ذخیرۂ تاریخ کا گم شدہ حصہ ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے ان فروعی اختلاف میں ایک دوسرے کی عزت واحترام کا پاس رکھنا اور مدِمقابل کو خود سے برتر سمجھ کر، ان کے مقام ومرتبہ کا اعتراف کرنا، سلف صالحین کا شیوہ تھا۔ موجودہ پرفتن، ذہنی انتشار، دلی بیزاری، خود پسندی اور اعجاب الرای کے دور میں آدابِ اختلاف اور مقاصد اختلاف کو سمجھنا انتہائی ضروری ہے، ورنہ یہ بیماریاں دین بیزاری، سلف سے لاتعلقی اور اپنی سندوں سے کاٹنے کا سامان فراہم کرچکی ہیں اور متوارث دینی بنیادوں کی جڑیں متزلزل کرنے کو ہیں۔

فروعی مسائل کے اختلاف میں افراط وتفریط

فروعی مسائل کے اختلاف میں علمی اور عملی دونوں میدانوں میں افراط اور تفریط پائی جاتی ہے:

افراط اس طرح کہ ان مسائل کو حق وباطل کا معیار اور اسلام وکفر کی سرحد بنا کر پیش کیا جانے لگا ہے، بعض حضرات اس کا برملا اظہار بھی کرتے ہیں؛ جب کہ کچھ لوگ اظہار تو نہیں کرتے؛ لیکن ان کا طرزِ عمل اور رویہ اسی بات کی غمازی کرتا ہے، جو طعن وتشنیع، گالم گلوچ، تحقیر وتنقیص اور بُرے القابات کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہ طرزِ عمل اور فاسد فکر اسبابِ اختلاف، آدابِ اختلاف نہ پہنچاننے کی وجہ سے جنم لیتی ہے۔

تفریط یہ ہے کہ فروعی مسائل میں اختلاف کو ہی غلط سمجھنا اور یہ کہنا کہ یہ صرف علماء کی اپنی کارستانیاں ہیں اور پوری امت کو ایک مسئلہ پر جمع ہوجانا چاہیے، ایسے لوگ اس طرح کے اختلاف کو ہی ختم کردینے کے داعی ہیں، جس کے لیے قرآن کریم کی تفرقہ والی آیات کا سہارا لیتے ہیں؛ جب کہ اختلافات کا خاتمہ عقل کے بھی خلاف ہے اور مزاجِ شریعت کے بھی منافی ہے؛ کیوں کہ اس صورت میں تمام فروعی مسائل نماز وروزہ کی طرح قطعیت اختیار کرجائیں گے، تب تھوڑی سی سستی بھی انسان کو جہنم کے دھانے پر لاکھڑا کرے گی، ایسے حضرات تاریخِ اختلاف اور مقاصدِ اختلاف سے ناواقف ہیں۔

علمائے کرام نے امت کو ان دونوں غلط افکار سے بچانے کی مختلف سطح پر کاوشیں کی ہیں۔ اسباب اختلاف کے حوالہ سے شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ تعالیٰ کا رسالہ ''اختلاف الائمہ'' اور

اسباب اور آدابِ اختلاف سمجھنے کے لیے شیخ عوامہ حفظہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ''ادب الاختلاف فی مسائل العلم والدین'' بہتر انتخاب ہوسکتا ہے۔

فروعی اختلاف میں مثالی طرزِ عمل

فروعی اختلاف کے حوالہ سے مثالی طرزِ عمل، علمی اور نظریاتی طرزِ فکر یہ ہونا چاہیے:

* اختلاف کو رحمت سمجھا جائے؛ کیوں کہ اس سے نصوص کی ہمہ جہتی معلوم ہوتی ہے، ایک ہی بات کے مختلف اور متعدد پہلو سامنے آتے ہیں، جس سے فہم وبصیرت کو جلا ملتی ہے، عقلیں روشن اور بصیرت میں اضافہ ہوتا ہے۔
* اختلاف کرنے کا اہل کون ہے؟ کس کا اختلاف قابل غور ہوسکتا ہے؟ اس کا سمجھنا انتہائی ضروری ہے، جو جس فن کے ماہر ہوتے ہیں، وہی لوگ اس فن میں اختلاف کرنے کے اہل ہوتے ہیں، جو اس میدان کے نہیں، انھیں اختلاف سے خود کو بچانا چاہیے۔
* اختلاف، اصلاح امت کا ذریعہ ہونا چاہیے نا کہ امتِ مسلمہ میں تفرقہ بازی اور فتنہ انگیزی مقصود ہو۔
* اختلاف میں مدمقابل کے علمی مقام ومرتبہ کا لحاظ رکھا جائے، جو گفتگو سے بھی نظر آئے اور طرزِ عمل سے بھی۔
* اختلاف، حسد، کینہ اور بغض وعناد کی آمیزش سے پاک ہونا چاہیے۔
* اختلاف میں جو بات درست لگے، دلائل کی بنیاد پر ٹھوس انداز میں بیان کردینی چاہیے؛ تاہم بعد ازاں اس پر اصرار نہیں کرنا چاہیے کہ پوری امت اسی بات کو تسلیم کرے۔
* اختلاف ان مسائل میں کرنا چاہیے جن مسائل میں شریعت کی طرف سے گنجائش رکھی گئی ہے، جن پر اجماع ہو چکا ہو یا جو امور نصوص سے ثابت ہیں، ان میں اختلاف ضلال، گمراہی اور فتنہ ہے۔
* اختلاف سے پہلے اسبابِ اختلاف، مقاصدِ اختلاف اور آدابِ اختلاف کو اچھی طرح پڑھ اور سمجھ لینا چاہیے۔
* آدابِ اختلاف کی عملی تربیت کے لیے معتدل علماء کرام کی مجالس اختیار کرنی چاہئیں اور سلف صالحین کے واقعات کا مطالعہ کرتے رہنا چاہیے۔

سلف صالحین کے علمی خطوط کی اہمیت

ذخیرہ تاریخ میں سلفِ صالحین اور ائمہ متبوعین کے آپس کے ایسے مکالمات اور خطوط موجود

ہیں، جن میں مفید علمی مباحث، دقیق علمی وفنی نکات، اہم بنیادی اصول، مناہج استدلال، فوائد جلیلہ اورادبی شہ پاروں کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے کے متعلق محبت بھرے القابات، خیرخواہانہ جذبات، مدمقابل کے علمی قد وکاٹھ کا کھلے دل سے اعتراف اور دوسرے کے مقام ومرتبہ کی رعایت کے بہترین مناظر چھلکتے ہیں۔ جن سے آدابِ اختلاف، اسبابِ اختلاف اور اصولِ اختلاف سمجھے جاسکتے ہیں۔

عالم عرب کے مشہور محقق ومحدث، شیخ المشایخ حضرۃ الشیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ائمہ سلف میں سے امام اعظم ابوحنیفہ (۱۵۰ھ) کا مکتوب بنام فقیہ بصرہ امام عثمان البتی (۱۴۳ھ) اور امام دارالہجرۃ مالک بن انس (۱۷۹ھ) اور فقیہ مصر لیث بن سعد (۱۷۵ھ) رحمہم اللہ تعالیٰ کے آپس کے مکاتیب کو تحقیق کے ساتھ مرتب کرکے ایک رسالہ کی صورت میں شائع کیا ہے، جس کا نام "نماذج من رسائل الأئمة السلف وأدبهم العلمي" ہے، جو آدابِ اختلاف اور اسبابِ اختلاف کا ایک قیمتی خزینہ ہے۔ ان مکاتیب کا اردو ترجمہ بھی ہوچکا ہے، اللہ تعالیٰ جلد منصۂ شہود پر لانے کی توفیق نصیب فرمائیں!

* * *

ضروری اعلان

ڈاک خانہ کی جانب سے رسالہ کی روانگی کے محصول ڈاک میں اضافہ کیے جانے کی وجہ سے عام ڈاک سے رسالہ کے سالانہ زرتعاون میں دوسو (۲۰۰) روپے کا اضافہ کیا گیا ہے؛ اس لیے آئندہ عام ڈاک سے تین سو (۳۰۰) روپے کے بجائے پانچ سو (۵۰۰) روپے سالانہ زرِتعاون رہے گا۔

اور بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک حسب سابق سالانہ زرتعاون =/700 ہی رہے گا۔ اور دستی خریدار کے لیے بھی حسب سابق فی رسالہ قیمت =/30 رہے گی۔ (ادارہ)

جبل ثور کی تاریخی وشرعی حیثیت

از: مفتی محمد ارشاد اشرفی
خادم تدریس: ادارہ کہف الایمان صفدر نگر۔ بورابنڈہ۔ حیدرآباد

مکہ مکرمہ کی دینی عظمت اور تاریخی اہمیت کا اندازہ اسی سے لگایا جاسکتا ہے کہ خالق کائنات نے اس کو اپنے سب سے مقدس گھر خانۂ کعبہ کے لیے چنا؛ چنانچہ اسی مبارک شہر کو سیدنا اسماعیل اور سیدہ حاجرہ کا مسکن قرار دیا، بے شمار حضرات انبیاء، اولیاء عظام، اور صالحین نے اس بیت اللہ کے لیے اور ساتھ ہی ساتھ وہاں کے تاریخی مقامات مقدسہ کی زیارت کے لیے رخت سفر باندھا اور مکے کے زائرین ان مقامات مقدسہ میں وقوع پذیر واقعات پر غور وفکر کرکے اپنی روحانیت کو پروان چڑھایا۔

بنیادی مقصد

ان مقامات مقدسہ کی زیارت کا مقصد یہ ہے کہ زائرین دورانِ سفر یہ سمجھ سکیں کہ امت مسلمہ کی بقا اور ترقی کے لیے کیسی کیسی قربانیاں اللہ کے رسول ﷺ نے اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دی ہیں، انھیں مقامات مقدسہ میں ایک تاریخی مقام ''جبل ثور'' کہلاتا ہے۔

غار ثور کا تعارف

غار ثور جبل ثور میں مسجد حرام سے چار کلومیٹر جنوبی سمت میں واقع ہے، سطح سمندر سے اس پہاڑ کی بلندی ۷۴۸ میٹر اور سطح زمین سے ۴۵۸ میٹر ہے، یہ غار اس کشتی کے مشابہ ہے جس کا نچلا حصہ اوپر کو کردیا جائے، اس غار کی اندرونی بلندی ۱٫۲۵ میٹر ہے اور طول وعرض ۳۰۵×۳۰۵ میٹر ہے، اس غار کے دو دھانے ہیں، ایک مغربی سمت میں ہے جس سے رسول اللہ ﷺ داخل ہوئے تھے، اس دروازہ سے لیٹ کر ہی اندر جایا جاسکتا تھا، نویں صدی ہجری کے آغاز سے تیرھویں صدی ہجری تک اس دھانے کو مرحلہ وار وسیع کیا جاتا رہا، اب اس کی اونچائی نیچے والی سیڑھی کو ملا کر تقریباً ایک میٹر ہے، دوسرا دروازہ مشرقی سمت میں ہے جو مغربی دھانے سے زیادہ کشادہ ہے اور بعد میں بنایا گیا ہے،

تا کہ لوگوں کو غار میں داخل ہونے اور نکلنے میں سہولت ہو، ان دونوں دروازوں کا درمیانی فاصلہ ۳۰۵ میٹر ہے، اس غار تک بڑھنا دشوار ہے عموماً غار تک پہنچنے میں ڈیڑھ گھنٹہ صرف ہوتا ہے، غار کا محل وقوع پہاڑ کی چوٹی سے ذرا نیچے ہے۔ (تاریخ مکہ مکرمہ: ص 147)

تاریخی حیثیت

ہجرت سے پہلے رسول اکرم ﷺ ابوبکر صدیقؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ دونوں نے مکان کی پچھلی کھڑکی سے کود کر رات کے اندھیرے میں پیدل چلنا شروع کر دیا۔ آپ دونوں تقریباً پانچ میل چل کر ایک ثور نامی غار میں چھپ گئے۔

یہ وہی غار ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن کریم میں کیا ہے: (ثَانِیَ اثْنَیْنِ إِذْ هُمَا فِی الْغَارِ) ترجمہ: دو میں سے دوسرا جب کہ وہ دونوں غار میں تھے۔ (سورۃ التوبہ)

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم اپنی ''آسان تفسیر قرآن'' میں اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ تم رسول اللہ ﷺ کی مدد کرو اور یاد رکھو کہ دین کی مدد کرنا تمہارے ہی لیے سعادت اور کامیابی کی بات ہے، ورنہ اللہ اس کے محتاج نہیں ہیں؛ چنانچہ اللہ کی قدرت دیکھو کہ جب محمد رسول اللہ ﷺ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو یہ قافلہ صرف دو افراد پر مشتمل تھا، محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھی حضرت ابوبکر صدیق، ان دونوں نے مکہ سے نکل کر ثور نامی پہاڑ کی بلندی پر ایک غار میں پناہ لی، دشمن تلاش کرتے کرتے قریب تک پہنچ گئے، یہاں تک کہ حضرت ابوبکر بے قرار ہو گئے؛ مگر رسول اللہ ﷺ نے انھیں اطمینان دلایا کہ گھبراؤ نہیں، اللہ ہمارے ساتھ ہیں: ''لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰه معنا''

اس ارشاد نے حضرت ابوبکر کو مطمئن کر دیا، انھیں سکون حاصل ہو گیا اور فرشتوں کی ان دیکھی طاقتوں سے ان حضرات کی حفاظت کی گئی، اس طرح اللہ نے کفر کی سازشوں کو پامال کر دیا اور اللہ تعالیٰ کے دین کو بلند و بالا فرمایا۔

جب اللہ اتنے مشکل حالات میں اپنے نبی کی حفاظت کر سکتے ہیں تو کیا اب ان کی حفاظت نہیں کر سکتے؟

اس آیت میں (ثَانِیَ اثْنَیْنِ) (دو میں کے دوسرے) اور (صاحبه) (رسول اللہ ﷺ کے ساتھی) سے مراد حضرت ابوبکر صدیق ہیں۔ (آسان تفسیر قرآن: ص 580)

حفاظتی تدابیر اور مشرکین کی ناکامی

مشرکین کا ایک دستہ رسول اکرم ﷺ کی تلاش میں ''غارِ ثور'' کے منہ کے سامنے پہنچا، انھیں غار کے منہ پر مکڑی کا جالا نظر آیا، اس سے انھوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ رسول ﷺ اس غار میں داخل نہیں ہوئے ورنہ مکڑی کا جالا ٹوٹا ہوا ہوتا، یہ دستہ وہاں سے چلا گیا۔

پہلی بات: مکڑی کا جالا تننا

یہ بات مختلف حضرات نے اپنی سندوں کے ساتھ نقل کی ہے، مثلاً: امام بیہقی رحمہ اللہ نے فرمایا:

"وأمر الله العنكبوت فنسجت فی وجه النبی صلی الله علیه وسلم فسترته".

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے مکڑی کو حکم دیا تو اس نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے جالا بن دیا؛ چنانچہ آپ ﷺ کے رخ کو چھپا دیا۔ (دلائل النبوۃ: ۲/۳۵۴، ط: دارالحدیث القاہرۃ)

امام بیہقی رحمہ اللہ کی یہ سند اگرچہ کم زور ہے؛ لیکن مختلف حضرات نے چوں کہ اسے ذکر کیا ہے اور مسئلہ کا تعلق احکام سے بھی نہیں ہے، لہٰذا یہ روایت قابلِ قبول ہوگی۔

کچھ دیر کے بعد مشرکوں کا ایک اور دستہ بھی غارِ ثور تک پہنچ گیا، انھوں نے غار کے منہ پر پرندے کا ایک گھونسلا دیکھا جس میں پرندے کے انڈے بھی تھے۔

کبوتری کا انڈے دینا

یہ بات ہمیں اب تک نہ مل سکی؛ البتہ یہ بات ملی ہے کہ دو کبوتری آئی اور غار کے دہانے پر کھڑی ہوگئی اور آپ علیہ السلام کو چھپا لیا، امام بیہقی رحمہ اللہ کی روایت ہے: "وأمر الله حمامتين وحشيتين فوقفتا بفم الغار". (دلائل النبوۃ: ۲/۳۵۴)

تیسری بات: کبوتر کا گھونسلہ بنانا

اس بات کو بھی کئی حضرات نے نقل کیا ہے، امام مقریزی رحمہ اللہ نے فرمایا: "وعششت حمامتان علی باب الغار". ترجمہ: دو کبوتریوں نے غار کے دہانے پر گھونسلہ بنا دیا۔ (إمتاع الأسماع: ۱/۴۰ مطبعة لجنة التاليف والترجمة) مشرکین ایک دوسرے سے کہنے لگے یقیناً وہ اس غار میں نہیں تھے، ورنہ گھونسلا اور مکڑی کا جالا دونوں ٹوٹے ہوتے۔

چوتھی بات: سانپ کا ڈسنا

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو سانپ کے ڈسنے کا واقعہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے ان الفاظ سے نقل کیا ہے: "وكان فی الغار خرق فيه حيات وأفاعی، فخشی أبوبكر أن يخرج منهنّ

شیءٌ یؤذی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم، فألقمہ قدمہ فجعلن یضربنہ ویلسعنہ الحیات والأفاعی، وجعلت دموعہ تنحدر و رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول لہ: یا أبابکر لاتحزن إن اللّٰہ معنا". (دلائل النبوۃ:۲/۳۵۱)

اس کے علاوہ سائل نے یہ بات پوچھی ہے کہ: ''یہ انڈے دینے کا واقعہ اچانک ہوگیا تھا یا پہلے سے گھونسلہ بنا رکھا تھا''؟ اس کے بارے میں عرض ہے کہ اس طرح کی مدد ونصرت کا ہونا ظاہر ہے کہ ایک غیبی معاملہ ہے اور اس میں ظاہری اسباب کو نہیں دیکھا جاتا ہے۔

سوچیے! کہ دشمن رسول اکرم ﷺ سے صرف چند گز دور تھے؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک حقیر مخلوق یعنی مکڑی کے جالے سے رسول اکرم ﷺ کی حفاظت فرمائی۔ جب دشمن کے دستے غار کے منہ پر کھڑے تھے تو ابوبکر صدیق نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ اگر سپاہی جھک کر دیکھیں تو ہم کو پالیں گے۔ رسول اکرم ﷺ نے ابوبکر صدیق کو تسلی دی اور فرمایا فکر مت کرو اللہ کی مدد ہمارے ساتھ ہے۔ (مکہ مکرمہ کے چند تاریخی واقعات: ص27)

شرعی حیثیت

اس غار کی زیارت دراصل واقعۂ ہجرت کی یاد دلاتی ہے اور مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قربانیوں، اللہ تعالیٰ پر توکل اور نصرتِ الٰہی کی اہمیت سے آگاہ کرتی ہے۔

اس مقام پر جا کر کسی قسم کی بدعت یا غیر شرعی عمل (مثلاً منت مانگنا، نذر چڑھانا، مخصوص انداز میں عبادت کرنا) سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔ ہر مسلمان تاریخی مقامات مقدسہ کا احترام کرے اور ان مقامات سے جوڑے واقعات سے عبرت وموعظت لینے کی کوشش کرے۔

موجودہ صورۃ حال

سعودی عرب میں مکہ مکرمہ کے سرکاری اداروں نے زائرین کے لیے جبل ثور کلچرل سینٹر قائم کیا ہے۔

العربیہ نیٹ کے مطابق حج وعمرے یا زیارت کے لیے آنے والے مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران ایسے اہم تاریخی مقامات پر جانے کا پروگرام ضرور بناتے ہیں جن کا تعلق اسلام کے ابتدائی عہد سے ہو۔ ان میں غار ثور کا نام نمایاں ہے۔

* * *

حضرت ام سُلیم رضی اللہ عنہا: احوال وواقعات

از: مولانا عصمت اللہ نظامانی
استاد جامعہ دارالعلوم کراچی

روئے زمین پر جس طرح مرد حضرات میں سے اولوالعزم وباہمت افراد گزرے ہیں جنہوں نے اپنے کارہائے نمایاں کے ذریعے اپنا نام رہتی دنیا تک کے لیے زندہ کرلیا۔ اسی طرح ایسی عفت مآب خواتین بھی گزری ہیں جو اپنی اعلیٰ خدمات ومساعی جمیلہ اور بلند کارناموں کی بنا پر تاریخ میں امر ہوگئی ہیں، ایسی ہی قابلِ احترام خواتین میں سے ایک مشہور صحابیہ حضرت امِ سُلیم ہیں، جو دینی وملّی خدمات کے اعتبار سے ایک فرد نہیں؛ بلکہ انجمن تھیں، جنہوں نے اپنے اہل وعیال کا بھرپور خیال رکھنے کے ساتھ اسلام کی نشر واشاعت میں کھل کر حصہ لیا، ایک طرف جہاد میں شرکت کی تو دوسری طرف علمی میدان میں رسوخ وکمال حاصل کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے مثال محبت کرنے والی، آپ ﷺ کے معجزات کی عینی شاہد۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کا مکمل خیال رکھنے والی تھیں۔ غرض صبر وتحمل، شجاعت وبہادری، حکمت ودانائی اور دیگر بیشمار خوبیوں اور اعلیٰ صفات کی حامل تھیں، ذیل میں ان کی حیات اور احوال وواقعات کا مختصر تذکرہ کیا جارہا ہے۔

نام ونسب

ان کی کنیت ام سُلیم ہے، جب کہ نام میں کافی اختلاف ہے۔ سہلہ، رملہ، انیسہ، رمیصاء، غمیصاء وغیرہ، اور بھی کئی اقوال ہیں؛ لیکن مشہور وہ اپنی کنیت سے ہیں۔ ان کے والد کا نام ملحان ہے، انصار کے مشہور قبیلہ خزرج سے ان کا تعلق تھا۔ لہٰذا ان کا مکمل نام اُم سُلیم بنت ملحان بن خالد خزرجیہ ہے۔ (۱)

اہل وعیال اور خاندان

ان کے خاندان کے افراد میں سے کئی مشہور ہیں، جن میں سرفہرست ان کی بہن ام حرام، بھائی حرام بن ملحان، شوہر ابوطلحہ اور بیٹا انس بن مالک رضی اللہ عنہم ہیں۔

حضرت ام سلیم کی بہن ام حرام رضی اللہ عنہا کو یہ شرف حاصل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات ان کے پاس تشریف لاتے، کھانا اور قیلولہ بھی فرماتے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بحری سفر کے ذریعے جہاد میں شرکت کی بشارت بھی سنائی تھی۔(۲)

حضرت ام سلیم کے بھائی حرام بن ملحان کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ ان ستر خوش نصیب انصاری قاریوں میں سے ایک تھے، جنہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ رعل وذکوان وغیرہ کی طرف دعوتِ دین کے سلسلے میں بھیجا تھا، اور انھیں بئیر معونہ کے مقام پر نہایت بیدردی سے شہید کردیا گیا۔ اور ان کے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے حصول کی خوشخبری حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنائی تھی۔(۳)

حضرت ام سلیم کے شوہر حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ کے بھی بہت سے مناقب ہیں، من جملہ یہ کہ جنگِ احد کے دن اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بطور ڈھال پیش کررہے تھے، تاکہ تیر وغیرہ ان کے جسم کو لگیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم محفوظ رہیں۔(۴)

جب کہ حضرت ام سلیم کے فرزند حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے فضائل میں سے ایک یہ ہے کہ ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خادمِ خاص ہونے کا شرف حاصل تھا۔(۵)

حضرت ام سُلیمؓ اور شوہر کے حقوق کا لحاظ

حضرت امِ سُلیم رضی اللہ عنہا اپنے شوہر سے محبت، اور ان کے حقوق کا حد درجہ خیال رکھتی تھیں، انھیں ادنیٰ تکلیف دینے سے بھی گریز کرتی تھیں اور اپنے شوہر کے آرام وراحت کا اس حد تک لحاظ رکھتی تھیں کہ انسان حیران رہ جاتا ہے، اور ان کی عظمت کا اقرار کیے بغیر نہیں رہ سکتا، چنانچہ اس سلسلے ایک واقعہ مشہور ہے کہ ان کے ایک بیٹے کا کچھ علالت کے بعد انتقال ہوگیا اور یہ بچہ ان کے شوہر حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کو بہت پیارا تھا، وہ چونکہ گھر سے باہر تھے، اس لیے اپنے بیٹے کی وفات کا انھیں علم نہ تھا، ان کی بیوی نے بیٹے کے کفن کا انتظام کرکے گھر کے گوشہ میں رکھ دیا، جب حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ گھر آئے اور بیٹے کے بارے میں پوچھا تو بیوی نے جواب دیا:

قَدْ هَدَأَتْ نفسُه، وَأَرْجُو أَنْ يَكُوْنَ قَدِ اسْتَرَاحَ.

ترجمہ: اس کی طبیعت کو سکون ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ آرام میں ہے۔

یعنی بیٹے کی موت کے بارے میں فوراً نہیں بتایا؛ تاکہ وہ جو باہر سے تھکے ہارے آئے ہوں، انھیں کچھ آرام کا موقع مل جائے، اور کچھ کھانا وغیرہ تناول کرنا چاہیں تو پُرسکون ہوکر تناول کریں۔

آفرین ہو حضرت ام سُلیم رضی اللہ عنہا پر۔ ایک طرف بیٹے کے انتقال کا غم وصدمہ ہے اور ابھی تک اسے دفنایا بھی نہیں گیا؛ لیکن اس کے باوجود اپنے شوہر کی راحت رسانی کا مکمل خیال رکھا اور اس میں ذرہ برابر بھی کوتاہی نہیں کی۔ اور بیٹے کی طبیعت پوچھنے پر ایسے الفاظ کا انتخاب کیا جن میں بچہ کی وفات کی طرف اشارہ تھا، لیکن حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اس سے بچہ کا صحتمند ہونا سمجھا۔

لہٰذا جب ذہنی سکون ملا تو اس رات اپنی اہلیہ سے مجامعت کی اور پھر صبح کو حضرت امِ سُلیم رضی اللہ عنہا نے انھیں بیٹے کے انتقال کے بارے میں بتایا، بعدازاں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے پورا واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَعَلَّ اللّٰهَ أنْ يُبَارِكَ لَكُمَا فی لَيْلَتِكُمَا.

ترجمہ: امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تم دونوں کو تمہاری رات میں برکت عطا فرمائے گا۔

چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کی قبولیت کے آثار کے بارے میں ایک انصاری شخص بیان کرتے ہیں:

فَرَأَيْتُ لَهُمَا تِسْعَةَ أولادٍ كُلُّهم قَدْ قَرَأَ القرآن. (۶)

ترجمہ: میں نے ان دونوں کے نو بچے دیکھے، وہ تمام قرآن پاک کے قاری تھے۔

حضرت ام سلیم اور تربیت اولاد

حضرت ام سُلیم رضی اللہ عنہا کی اعلیٰ صفات وخصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ دین کی خدمت کے ساتھ انھیں اپنے اہل وعیال کے حقوق کا بھی خیال رہتا تھا اور اپنی اولاد کی تربیت کی فکر رہتی تھی، اور بچوں کی تربیت اور ان کے نفع رسانی کے لیے وہ ہمہ وقت کوشاں رہتی تھیں؛ چنانچہ ان کے فرزند حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ جب کچھ بڑے ہوئے تو وہ انھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر آئیں، اور عرض کیا:

يَا رَسُولَ اللّٰه، هَذا أُنَيْسٌ اِبْنِیْ، أَتَيْتُكَ بِهٖ يَخْدِمُكَ. (۷)

ترجمہ: اے اللہ کے رسول! یہ میرا بیٹا انس ہے، میں اس کو آپ کے پاس لے کر آئی ہوں؛ تاکہ وہ آپ کی خدمت کرے۔

اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ کسی فرد کی تعلیم وتربیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنے سے زیادہ کہیں اور نہیں ہوسکتی۔

اسی طرح ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سُلیم رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف

لائے، انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیافت کرنا چاہی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے کی وجہ سے کھانا تناول نہیں فرمایا، اور گھر کے ایک گوشہ میں نفل نماز پڑھی، بعدازاں ام سلیمؓ اور ان کے گھر والوں کے لیے دعا فرمائی، یہ دیکھ کر حضرت ام سُلیم نے آکر عرض کیا: یا رسول اللہ، إن لی خویصة. ترجمہ: اے اللہ کے رسول! میری ایک خاص چیز بھی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ وہ کیا چیز ہے؟

حضرت ام سُلیم نے عرض کیا کہ "خادمك أنس" یعنی آپ کے خادم انس۔

اس پر حضرت انس رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں:

فَمَا تَرَكَ خيرَ آخرةٍ ولا دنيا إلّا دَعا لی به، قال: اللّٰهمَّ ارْزُقْهُ مَالًا وَوَلَدًا، وَبَارِكْ لَهُ فِيْه.

ترجمہ: آپ ﷺ نے دنیا اور آخرت کی کوئی بھلائی ایسی نہ چھوڑی جس کی میرے لیے دعا نہ فرمائی ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! اس کو مال اور اولاد عطا کر اور ان میں برکت عطا فرما۔

اس دعا کا یہ اثر ہوا کہ ان کی زندگی میں ہی ان کی نسل سے ایک سو بیس سے زیادہ افراد رحلت کر چکے تھے اور جو حیات ہوں گے، ان کی کثرت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہوگا۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

فإني لمن أكثر الأنصار مالا، وحدثتني ابنتي أمينة: أنه دفن لصلبي مقدم حجاج البصرة بضع وعشرون ومائة.(۸)

ترجمہ: میں انصار میں سے زیادہ مالدار افراد میں سے ہوں، اور مجھ سے میری بیٹی امینہ نے بیان کیا کہ حجاج کے بصرہ آنے کے وقت تک میری نسل سے ایک سو بیس سے کچھ زیادہ افراد دفن ہو چکے ہیں۔

حضرت ام سُلیم رضی اللہ عنہا نے اپنے بچے کی بھلائی کے لیے یہ موقع سنہری سمجھا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خصوصی طور اپنے بیٹے کی فلاح کے لیے دعا کرائی۔

نیز ایک یتیم بچی حضرت ام سُلیم رضی اللہ عنہا کی پرورش اور کفالت میں رہتی تھی، ایک مرتبہ وہ بچی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئی تو آپ ﷺ نے ازراہِ تلطف اس سے فرمایا:

آنت هيه؟ لقد كبرت، لا كبر سنك.

تم وہی بچی ہو، تو بڑی ہوگئی ہے، تمہاری عمر بڑی نہ ہو۔

بچی نے اس بات کو دل سے لگالیا اور روتی ہوئی حضرت امِ سُلیم رضی اللہ عنہا کے پاس آئی اور

کہا کہ:

دعا علی نبي اللّٰہ صلی اللہ علیہ و سلم، أن لا یکبر سنی، فالآن لا یکبر سني أبدا.

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بددعا دی ہے کہ میری عمر بڑی نہ ہو تو اب میری عمر کبھی نہیں بڑھے گی۔

سبحان اللہ! اس چھوٹی بچی کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر کس قدر یقین تھا کہ اس کے نزدیک آپ ﷺ کی بیان کردہ بات لازماً ہو کر رہے گی اور اس کے خلاف ہو ہی نہیں سکتا۔

حضرت امِ سُلیم رضی اللہ عنہا کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو وہ جلدی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، آپ ﷺ نے جب ان کی یہ حالت دیکھی تو پوچھا کہ اے ام سُلیم! کیا ہوا ہے؟ اس پر حضرت ام سُلیم رضی اللہ عنہا نے پورا ماجرا بیان کیا، یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے اور پھر فرمایا کہ اے ام سُلیم! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کر رکھی ہے کہ اگر کسی کے لیے بدعائیہ کلمہ کہوں اور وہ اس کا مستحق نہ ہو تو:

أن یجعلها له طهورا وزکاة، وقربة یقربه بها منه یوم القیامة.(۹)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس دعا کو اس کے لیے پاکیزگی، خطاؤں سے صفائی کا سبب بنادے اور اسے اس کے لیے ایسی قربت بنائے جس کے ذریعے وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرے۔

یعنی یتیم بچی کے بارے میں کہی ہوئی بات بھی، اس کے فائدہ کے لیے تھی، اس کے حق میں ذرہ برابر بھی نقصان نہیں ہوگا۔

اس تفصیل سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت ام سُلیم رضی اللہ عنہا اولاد کی تربیت، ان کے حقوق کا بہت خیال رکھتی تھیں، اور دین کی اعلیٰ خدمت کے ساتھ ایک مثالی ماں کا کردار بھی عمدہ طریقے سے نبھایا۔

حضرت ام سُلیم اور حصولِ علم

حضرت ام سُلیم رضی اللہ عنہا کو حصولِ علم کا شوق تھا، اور وہ سنجیدگی و دلجمعی سے علمِ دین حاصل کرنے کے لیے کوشاں رہتی تھیں اور اس سلسلے میں طبعی شرم وحیاء کو رکاوٹ نہیں سمجھتی تھیں؛ بلکہ عام دینی مسائل کے ساتھ جنسی مسائل واحکام کے بارے میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کرتی تھیں، جن کے بارے میں سوال کرنے سے عام طور پر خواتین شرماتی تھیں؛ چنانچہ ایک مرتبہ آپ ﷺ کی خدمت آکر عرض کیا:

يا رسول الله! إن الله لا يستحيي من الحق، فهل على المرأة من غسل إذا احتلمت؟

ترجمہ: اے اللہ کے رسول! بلاشبہ اللہ تعالیٰ حق بات سے نہیں شرماتا، تو یہ بتایئے کہ کیا عورت پر غسل لازم ہوگا جب اس کو احتلام ہو؟

اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: ہاں! اگر وہ پانی یعنی منی دیکھے تو غسل لازم ہوگا۔(۱۰)

حصولِ علم کے اس شوق ولگن کا یہ نتیجہ نکلا کہ حضرت ام سُلیم رضی اللہ عنہ کو ایسے مسائل میں مرجعیت حاصل ہوگئی اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپس میں اختلاف کے وقت حضرت ام سُلیم کی طرف رجوع کرنے لگے؛ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے درمیان ایسی عورت کے حوالے سے اختلاف رائے ہوئی جو دس ذی الحجہ کو طواف زیارت کرنے کے بعد حائضہ ہوجائے، تو آیا وہ طوافِ وداع کرنے سے قبل واپس لوٹ سکتی ہے، یا حیض سے پاکی کے بعد طواف وداع کرنا ضروری ہوگا۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی رائے یہی تھی کہ جب تک وہ طوافِ وداع نہ کرلے واپس نہیں جاسکتی؛ جب کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ چونکہ وہ فرض یعنی طوافِ زیارت ادا کرچکی ہے، لہٰذا اگر وہ چاہے تو واپس جاسکتی ہے، طواف وداع کے لیے رکنا ضروری نہیں۔

یہ دیکھ کر بعض حضرات کہنے لگے:

لا نتابعك يا ابن عباس وأنت تخالف زيدا.

ترجمہ: اے ابنِ عباس! ہم آپ کی پیروی نہیں کریں گے؛ جب کہ آپ زید بن ثابتؓ کی مخالفت کررہے ہیں۔

اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

فاسألوا صاحبتكم أم سليم.

یعنی اس کے بارے میں حضرت ام سلیم سے پوچھ لو۔

لوگوں نے جب ان سے پوچھا تو انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی روشنی میں یہی بتایا ہے کہ ایسی صورت میں حائضہ عورت طواف وداع سے قبل واپس جاسکتی ہے۔(۱۱)

اس روایت سے یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ حضرت ام سُلیم رضی اللہ عنہا کو علم میں رسوخ وپختگی حاصل تھی اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جیسی جلیل القدر ہستیاں بھی علمی مسائل میں ان کی طرف رجوع

کرتی تھیں۔

دینِ اسلام کی دعوت

حضرت ام سُلیم رضی اللہ عنہا ایک بہترین داعیہ تھیں، ابتداء سے ہی دین حق کی طرف لوگوں کو دعوت دیتیں اور ابدی سعادت کی جانب ان کی رہنمائی کرتی تھیں، دعوتِ حق کے سلسلے میں ان کا حضرت ابوطلحہ کے ساتھ مکالمہ کافی اثر پذیر ہے، جس کی وضاحت یہ ہے کہ پہلے شوہر کی وفات کے کچھ عرصہ بعد حضرت ابوطلحہؓ نے ان کے ہاں نکاح کا پیغام بھجوایا، اس وقت تک حضرت ابوطلحہ نے اسلام قبول نہیں کیا تھا؛ چنانچہ حضرت ام سُلیم رضی اللہ عنہا نے اس موقع کو دعوتِ اسلام کے لیے بہترین جانا اور حضرت ابوطلحہ کے سامنے اسلام کی حقانیت اور شرک کا بطلان وقباحت عمدہ انداز میں بیان کرنے لگیں؛ چنانچہ انھوں نے فرمایا:

يا أبا طلحة، ألست تعلم أن إلهك الذى تعبد خشبة نبتت من الأرض نجرها حبشي بني فلان.(۱۲)

ترجمہ: اے ابوطلحہ! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تم اپنے جس معبود کی عبادت کرتے ہو، وہ ایک لکڑی ہے جو زمین سے اُگی تھی، اور جسے فلاں قبیلے کے کسی حبشی نے تراشا تھا۔

حضرت ابوطلحہ کے دل میں اس دعوت کا اثر ہوا، اور جلد ہی مشرف بہ اسلام ہوئے اور بعدازاں حضرت ام سُلیم سے ان کا نکاح ہوا۔ اس طرح حضرت ام سُلیم کی تبلیغ سے حضرت ابوطلحہ کو اسلام کی دولت حاصل ہوئی۔

جہاد میں شرکت

حضرت ام سُلیم رضی اللہ عنہا اسلام اور مسلمانوں کے دفاع کے لیے ہمیشہ کھڑی رہیں، وہ شرعی حدود کے اندر رہ کر جہاد میں شریک ہوتیں اور دورانِ جنگ مسلسل مجاہدین کی خدمت اور ان کی ضروریات کا خیال رکھتیں اور پانی کی مشکیزیں اپنی پیٹھ پر اٹھا کر مسلمانوں کی پیاس بجھاتیں؛ چنانچہ غزوۂ احد کا ذکر کرتے ہوئے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ اور حضرت ام سُلیم رضی اللہ عنہما کو دیکھا:

تنقلان القرب على متونهما، ثم تفرغانه فى أفواه القوم، ثم ترجعان فتملآنها، ثم تجيئان فتفرغانها فى أفواه القوم.(۱۳)

ترجمہ: وہ دونوں پانی کی مشکیں اپنی پیٹھ پر لادے ہوئے لاتیں اور پیاسے لوگوں کے منہ میں

ڈال دیتی تھیں، پھر لوٹ جاتیں اور ان کو بھرتیں، پھر آتی تھیں اور انھیں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے منہ میں ڈالتی تھیں۔

بلکہ غزوہ حنین کے موقع پر حضرت ام سُلیم رضی اللہ عنہا نے اپنے پاس ایک خنجر رکھا ہوا تھا؛ تاکہ ضرورت پڑنے پر مشرکین کی اس سے مرمت کرسکیں، اس خنجر کے بارے میں ان کے شوہر حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا، تو حضرت ام سُلیم نے عرض کیا:

يا رسول اللّٰه! أتخذه إن دنا منى أحد من المشركين بقرت به بطنه. وقال عفان: بعجت به بطنه. أقتل الطلقاء وأضرب أعناقهم انهزموا بك.

اے اللہ کے رسول! میں اسے اپنے پاس رکھتی ہوں؛ تاکہ اگر کوئی مشرک میرے قریب آئے تو میں اس کا پیٹ پھاڑسکوں، میں آزادشدہ افراد (جنہیں فتحِ مکہ کے وقت معافی دی گئی) کو قتل کروں، اور ان کی گردنیں اڑاسکوں کہ وہ آپ کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔

حضرت ام سُلیم رضی اللہ عنہا کے یہ بلند عزائم دیکھ کر اور ان کی بات سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے، اور ارشاد فرمایا:

يا أم سليم! إن اللّٰه قد كفى وأحسن.(۱۴)

ترجمہ: اے ام سُلیم! اللہ تعالیٰ کافی ہو چکا ہے اور اچھی طرح کفایت کی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا انوکھا انداز

حضرت ام سُلیم رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت تھی؛ چنانچہ اس کا اظہار بھی انوکھے طریقے اور نرالے انداز سے ہوتا تھا، وہ اس طرح کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر میں قیلولہ فرماتے اور گرمی کی وجہ سے پسینہ آتا تو حضرت ام سُلیم رضی اللہ عنہا وہ پسینہ جمع کرتیں اور عطر والی شیشی وغیرہ میں ڈال لیتی تھیں؛ چنانچہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اس بارے میں فرمایا:

يا أم سليم! ما هذا الذى تصنعين؟

ترجمہ: اے ام سُلیم! یہ کیا کر رہی ہو؟

اس پر انھوں نے عرض کیا:

هذا عرقك نجعله فى طيبنا، وهو من أطيب الطيب.(۱۵)

ترجمہ: یہ آپ کا پسینہ ہے، ہم اسے اپنی خوشبو میں ڈال دیتے ہیں اور وہ تمام خوشبوؤں سے

بہترین خوشبو ہوتی ہے۔

بیٹے کے بال کاٹنے سے انکار

حضرت ام سُلیم رضی اللہ عنہا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر محبت تھی کہ وہ آپ سے متعلق کسی چیز کو ضائع کرنا گوارا نہیں کرتی تھیں؛ چنانچہ اسی وجہ سے اپنے بیٹے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بال کاٹنے سے بھی انکار کردیا؛ کیونکہ حضرت انس بچے تھے اور آپ ﷺ تلاطفت کے طور پر ان کے بال ہاتھوں میں لیتے اور پکڑتے تھے، تو حضرت ام سُلیمؓ کو یہ گوارا نہیں ہوا کہ آپ ﷺ کی لمس اور ہاتھوں کی برکت کو بال کاٹ کر اپنے بیٹے سے دور کردے، جیسا کہ حضرت انس سے روایت ہے:

كانت لي ذؤابة، فقالت لي أمي: لا أجزها، كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يمدها ويأخذ بها.(۱۶)

ترجمہ: میرے گیسو لمبے تھے تو میری والدہ کہتی تھیں کہ میں انھیں نہیں کاٹوں گی؛ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے کھینچا کرتے اور اسے پکڑتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی استعمال کردہ اشیاء سے تبرک

حضرت ام سُلیم رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار واستعمال کردہ اشیاء بطورِ تبرک اپنے پاس سنبھال کر رکھتی تھیں؛ چنانچہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لائے اور وہاں لٹکے ہوئے مشکیزہ میں سے پانی نوش فرمایا، تو حضرت ام سُلیم نے اس حصہ کو کاٹ کر اپنے پاس رکھ لیا، جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دہن مبارک لگا تھا؛ تاکہ اس سے برکت حاصل ہو، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

فقطعت أم سليم فم القربة فهو عندنا.(۱۷)

یعنی ام سلیمؓ نے مشکیزے کا منہ کاٹ کر اپنے پاس رکھ لیا اور وہ آج بھی ہمارے پاس موجود ہے۔

حضرت ام سُلیم کا کھانا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات

حضرت ام سُلیم رضی اللہ عنہا کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ متعدد بار ان کے کھانے میں اور ان کے سامنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا ظہور ہوا، جن میں کچھ کا ذکر حسبِ ذیل ہے:

۱- ایک مرتبہ حضرت ام سُلیم رضی اللہ عنہا نے مالیدہ بنایا، اور تھالی میں رکھ کر حضرت انسؓ سے کہا:

يا أنس! اذهب بهذا إلى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، فقل: بعثت بهذا إليك

أمي وهي تقرئك السلام، وتقول: إن هذا لك منا قليل يا رسول الله.

ترجمہ: اے انس! یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جا، اور عرض کرنا کہ یہ میری والدہ نے آپ کی طرف بھیجا ہے اور وہ آپ کو سلام کہہ رہی تھیں اور کہہ رہی ہیں کہ اے اللہ کے رسول! یہ تھوڑا سا ہدیہ ہماری طرف سے آپ کے لیے ہے۔

حضرت انسؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ پیش کیا اور اپنی والدہ کا پیغام پہنچایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ یہ ایک طرف رکھو، چند افراد کا نام لے کر فرمایا کہ ان کو اور جو تمہیں راستے میں ملے، سب کو بلاؤ؛ چنانچہ حضرت انسؓ نے ان مخصوص افراد کے ساتھ اور بھی کئی افراد کو بلایا، مجموعی طور پر تین سو کے قریب افراد ہو گئے تھے، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس سے وہ برتن منگوایا اور لوگوں سے فرمایا کہ دس دس کا حلقہ بنالو اور ہر آدمی اپنے سامنے سے کھائے۔

دس افراد کا ایک گروہ سیر ہو کر کھاتا اور نکل جاتا، پھر دوسرا گروہ آتا اور کھانا کھاتا، اس طرح سب لوگوں نے سیر ہو کر کھایا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس سے فرمایا کہ برتن اٹھالو، اس پر حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

فرفعت، فما أدري حين وضعت كان أكثر، أم حين رفعت.(۱۸)

ترجمہ: میں نے اٹھالیا، تو میں نہ جان سکا کہ جب میں نے رکھا تھا اس وقت کھانا زیادہ تھا یا جب میں نے اٹھایا۔

۲- ایک مرتبہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو محسوس ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھوک لگی ہے، گھر آ کر اپنی اہلیہ حضرت ام سُلیم کو یہ بات بتائی اور پوچھا کہ کوئی کھانے کی چیز ہے؟ حضرت ام سُلیم رضی اللہ عنہا نے جو کی چند روٹیاں نکالیں اور انھیں اپنی اوڑھنی میں لپیٹ کر حضرت انسؓ کے ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا، آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا ابوطلحہ نے کھانے کے ساتھ بھیجا ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو اپنے ساتھ چلنے کا کہا، حضرت انسؓ نے جلدی آ کر حضرت ابوطلحہ کو خبر دی اور انھوں نے حضرت ام سُلیمؓ سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے ساتھ تشریف لا رہے ہیں اور ہمارے پاس انھیں کھلانے کے لیے کچھ نہیں۔ حضرت ام سُلیمؓ نے اس پر کیا خوب جواب دیا کہ "اللہ ورسوله أعلم" یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اس بات سے بخوبی واقف ہیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جب تشریف آوری ہوئی تو فرمایا:

هلمی یا أم سلیم، ما عندك.

ترجمہ: اے ام سلیم! جو کچھ تمہارے پاس ہے لے آؤ۔

حضرت ام سلیم وہی روٹیاں لے آئیں جو ان کے پاس تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر ان کے ٹکڑے کیے گئے اور ام سلیم نے کپی میں سے گھی نچوڑا جو سالن ہو گیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے اس پر کچھ پڑھ کر دم کر دیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے حکم دیا کہ دس دس آدمیوں کو بلاؤ؛ چنانچہ دس آدمیوں کو بلا کر کھانے کی اجازت دی گئی اور انھوں نے پیٹ بھر کر کھالیا، پھر جب یہ اٹھ گئے تو دس اور آدمیوں کو بلایا گیا۔ یہاں تک کہ اسی طرح تمام لوگوں نے سیر ہو کر کھالیا۔ وہ ستر یا اسی آدمی تھے۔(۱۹)

۳- حضرت ام سُلیم رضی اللہ عنہا نے بکری کا گھی ایک کپی میں جمع کرنا شروع کیا، جب وہ بھر گئی تو اسے ایک بچی کے ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا، وہ آپ ﷺ کے پاس آئی، اور حضرت ام سُلیمؓ کی طرف سے وہ گھی پیش کیا، آپ ﷺ نے وہاں موجود لوگوں سے کہا کہ گھی کسی دوسرے برتن میں ڈال کر، کپی کو خالی واپس کر دو؛ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ حضرت ام سُلیمؓ کی نظر جب اس کپی پر پڑی تو دیکھا کہ وہ گھی سے بھری ہوئی تھی؛ چنانچہ انھوں نے بچی سے کہا:

أليس أمرتك أن تنطلقي بها إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم؟

ترجمہ: کیا میں نے تمہیں حکم نہیں دیا تھا کہ اسے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے کر جاؤ۔

اس نے جواب دیا کہ میں نے ایسا ہی کیا ہے، اگر میری بات پر یقین نہ ہو تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر پوچھیے، تو انھوں نے خود آپ ﷺ کے پاس جا کر استفسار کیا، حضور صلی اللہ نے فرمایا کہ بلاشبہ وہ اسے لے کر آئی تھی، ام سُلیم نے عرض کیا کہ وہ کپی تو بالکل بھری ہوئی ہے، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أتعجبين أن كان الله أطعمك كما أطعمت نبيه، كلي وأطعمي.

یعنی کیا تمہیں تعجب ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں کھلایا ہے، جیسا کہ تم نے اس کے نبی کو کھلایا تھا، لہٰذا خود کھاؤ، اور دوسروں کو کھلاؤ!

حضرت ام سُلیم رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اس کپی سے کچھ گھی ایک بڑے پیالہ میں ڈالا، اور کچھ مقدار اس کپی میں چھوڑ دی جسے ہم ایک دو مہینے سالن کی طرح استعمال کرتے رہے۔(۲۰)

الغرض یہ بھی ایک بڑا شرف حضرت امِ سُلیم رضی اللہ عنہا کو حاصل تھا کہ ان کے کھانے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد معجزات ظاہر ہوئے۔

فضائل ومناقب

حضرت ام سُلیم رضی کے بہت سے فضائل ومناقب ہیں، اللہ تعالیٰ نے انھیں بہت سی خصوصیات اورامتیازات سے نوازا تھا،ان میں سے چندکا ذکرحسبِ ذیل ہے۔

جنت کی بشارت

حضرت امِ سُلیم رضی اللہ عنہا کی ایک بہت بڑی فضلیت یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اپنے خواب میں جنت کے اندر دیکھا؛ چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:

رأيتني دخلت الجنة، فإذا أنا بالرميصاء ، امرأة أبي طلحة.(۲۱)

ترجمہ: میں نے (خواب میں) اپنے آپ کو جنت میں داخل ہوتے دیکھا تو وہاں مجھے ابوطلحہ کی بیوی رمیصاء نظر آئی۔

اورایک دوسری روایت میں ہے:

دخلت الجنة فسمعت خشفة، فقلت: من هذا؟ قالوا: هذه الغميصاء بنت ملحان أم أنس بن مالك.(۲۲)

ترجمہ: میں جنت میں داخل ہوا تو میں نے وہاں کسی کی آہٹ سنی، میں نے کہا: یہ کون ہے؟ وہاں والوں نے مجھے بتایا کہ یہ غمیصاء بنت ملحان حضرت انس کی والدہ ہیں۔

ملاحظہ: حضرات شارحین نے حضرت ام سُلیم رضی اللہ عنہا کے رمیصاء اورغمیصاء دونوں لقب ذکر کیے ہیں۔(۲۳)

موئے مبارک کا حصول

حضرت ام سُلیم رضی اللہ عنہا کی ایک منقبت یہ ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اپنے بال مبارک عطا فرمائے تھے؛ چنانچہ مسلم شریف کی ایک حدیث میں ہے:

وأشار بيده إلى الجانب الأيمن هكذا، فقسم شعره بين من يليه، قال: ثم أشار إلى الحلاق وإلى الجانب الأيسر، فحلقه فأعطاه أم سليم.(۲۴)

ترجمہ: آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے دائیں طرف سے شروع کرنے کا اشارہ فرمایا اوراپنے بال ان لوگوں میں تقسیم کیے جو آپ ﷺ سے قریب تھے، پھر حجام کو بائیں جانب کی طرف اشارہ فرمایا تو اس نے وہ مونڈے تو آپ ﷺ نے وہ بال حضرت ام سلیمؓ کو عطا فرمائے۔

وفات

بالآخر اس عظیم القدر دانا ومجاہدہ صحابیہ نے پوری زندگی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری میں گزار کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں(۲۵) تقریباً تیس ہجری کو انتقال فرمایا،(۲۶) اور خواتین کی اولوالعزمی، جہد مسلسل اور ہمت وبہادی کے سلسلے میں تاریخ رقم کردی اور اپنے عمل سے قوم کی بیٹیوں کو یہ درس دیا کہ دینی وملی خدمات اور اہل وعیال کے فرائض دونوں کے درمیان توازن قائم کرکے ہی کامیابی وسرخروئی حاصل کی جاسکتی ہے۔

* * *

حواشی وحوالہ جات:

(١) تهذيب الأسماء واللغات للنووى، (625/2)، النوع الثانى فى الكنى، حرف السين، رقم الترجمة: 1213، الناشر: دارالفكر- بيروت، ط: 1996م.

(٢) انظر! صحيح البخارى، (16/4)، كتاب الجهاد والسير، باب الدعاء بالجهاد والشهادة، رقم الحديث: 2788، الناشر: دار طوق النجاة، ط: 1422هـ.

(٣) انظر! صحيح البخارى، (18/4)، كتاب الجهاد والسير، باب من ينكب فى سبيل الله، رقم الحديث: 2801.

(٤) انظر! صحيح البخارى، (37/5)، كتاب مناقب الأنصار، باب مناقب أبى طلحة رضى الله عنه، رقم الحديث:3811.

(٥) انظر! صحيح البخارى، (11/4)، كتاب الوصايا، باب استخدام اليتيم فى السفر والحضر، رقم الحديث: 2768.

(٦) صحيح البخارى، (82/2)، كتاب الجنائز، باب من لم يظهر حزنه عند المصيبة، رقم الحديث:1301.

(٧) صحيح مسلم، (1929/4)، كتاب الفضائل، باب من فضائل أنس بن مالك رضى الله عنه، رقم الحديث: 2481، الناشر: دار إحياء التراث العربى - بيروت.

(٨) صحيح البخارى، (41/3)، كتاب الصوم، باب من زار قوما فلم يفطر عندهم، رقم الحديث:1982.

(٩) صحيح مسلم، (2009/4)، كتاب البر والصلة، باب من لعنه النبى صلى الله عليه وسلم، رقم الحديث: 2603.

(١٠) صحيح البخارى، (38/1)، كتاب العلم، باب الحياء فى العلم، رقم الحديث:130.

(١١) مسند أحمد، (419/45)، حديث أم سُليم، رقم الحديث: 27432، الناشر: مؤسسة الرسالة - بيروت، ط:1421هـ 2001م.

(١٢) المستدرك على الصحيحين للحاكم، (195/2)، كتاب النكاح، رقم الحديث:2735، الناشر: دارالكتب العلمية - بيروت، ط:1411هـ/1990م.

(١٣) صحيح البخارى، (33/4)، كتاب الجهاد والسير، باب غزو النساء وقتا لهن مع الرجال، رقم الحديث: 2880.

(١٤) الطبقات الكبرى لابن سعد، (312/8)، ترجمة: أمسليم بنت ملحان، رقم:4571، الناشر: دار الكتب العلمية ـ بيروت، ط: 1410هـ/1990م.

(١٥) صحيح مسلم، (1815/4)، كتاب الفضائل، باب طيب عرق النبى صلى الله عليه وسلم، رقم الحديث: 2331.

(١٦) سنن أبي داود، (262/6)، كتاب الترجل، باب فى الرخصة، رقم الحديث:4196، الناشر: دار الرسالة العالمية، ط: 1430هـ/2009م.

(١٧) مسند أحمد، (225/19)، مسند أنس بن مالك رضى اللّٰه عنه، رقم الحديث: 12188.

(١٨) صحيح مسلم، (1051/2)، كتاب النكاح، باب زواج زينب بنت جحش، رقم الحديث: 1428.

(١٩) صحيح البخارى، (193/4)، كتاب المناقب، باب علامات النبوة فى الإسلام، رقم الحديث:3578.

(٢٠) مسند أبى يعلى الموصلي، (217/7)، مسند أنس بن مالك، رقم الحديث:4213، الناشر: دار المأمون للتراث ـ دمشق، ط: 1404هـ/ 1984م.

(٢١) صحيح البخارى، (10/5)، كتاب المناقب، باب مناقب عمر بن الخطاب، رقم الحديث: 3679.

(٢٢) صحيح مسلم، (1908/4)، كتاب فضائل الصحابة رضى اللّٰه عنهم، باب من فضائل أمسليم، رقم الحديث: 2456.

(٢٣) فتح الباري لابن حجر، (22/7)، باب مناقب عمر بن الخطاب، الناشر: دار المعرفة ـ بيروت.

(٢٤) صحيح مسلم، (947/2)، كتاب الحج، باب بيان أن السنة يوم النحر أن يرمى ثم ينحر، رقم الحديث: 1305.

(٢٥) تقريب التهذيب لابن حجر، (ص:757)، الكنى من النساء ، رقم الترجمة:8737، الناشر: دار الرشيد ـ سوريا، ط: 1406هـ/1986م.

(٢٦) الأعلام للزركلى، (33/3)، حرف الراء ، الناشر: دار الملايين ـ بيروت، ط:2002م.

* * *

جماعت کے اہتمام میں کوتاہی کا مزاج

از: مولانا میرزاہد مکھیالوی
بلاسپور

اسلام کے ارکانِ خمسہ میں توحید کے بعد سب سے اہم اور مہتم بالشان فریضہ ''نماز'' ہے، قرآنِ کریم میں جابجا اللہ رب العزت نے اقامتِ صلاۃ کا حکم دیا ہے، احادیثِ شریفہ میں بہ کثرت جہاں نماز کی فضیلت واہمیت، نماز کے شرائط وارکان کو بیان کیا گیا ہے، اس کے ساتھ ہی جماعت کی فضیلت وتاکید، مستحب ومکروہ اوقات، نماز میں خشوع وخضوع، قرأتِ مسنونہ وغیرہ کے متعلق بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح ہدایات وتعلیمات ارشاد فرمائی ہیں۔

اس تحریر میں نماز سے متعلق ایک اہم موضوع (جماعت کے اہتمام میں کوتاہی کا مزاج) کی جانب توجہ دلانا مقصود ہے، اس سلسلے میں اولاً چند احادیث ملاحظہ فرمائیں:

(١) عَنِ ابْنِ عُمَرَرَضِی اللّٰہ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ صَلَاۃُ الْجَمَاعَۃِ تَفْضُلُ صَلَاۃَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَّعِشْرِیْنَ دَرَجَۃً. (متفق علیہ، مشکوٰۃ ص ٩٥)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جماعت کی نماز تنہا نماز پڑھنے سے ثواب میں ستائیس درجہ فضیلت رکھتی ہے۔

(٢) عَنْ أَبِیْ الدَّرْدَاءِ رَضِی اللّٰہ عَنْہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَامِنْ ثَلٰثَۃٍ فِیْ قَرْیَۃٍ وَلَا بَدْوٍ لَاتُقَامُ فِیْھِمُ الصَّلَاۃُ إِلَّا قَدْ اِسْتَحْوَذَ عَلَیْھِمُ الشَّیْطَانُ فَعَلَیْکَ بِالْجَمَاعَۃِ فَإِنَّمَا یَأْکُلُ الذِّئْبُ الْقَاصِیَۃَ. (أحمد، نسائی، مشکوٰۃ ص ٩٦)

حضرت ابودرداءؓ راوی ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس بستی یا جنگل میں تین آدمی ہوں اور وہ جماعت سے نماز نہ پڑھتے ہوں، تو ان پر شیطان غالب رہتا ہے؛ لہٰذا تم جماعت کو اپنے اوپر لازم کرلو؛ کیوں کہ بھیڑیا اس بکری کو (شکار کرکے) کھاجاتا ہے، جو ریوڑ سے الگ ہوکر

تنہا رہ جاتی ہے۔

(۳) عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ صَلّٰى لِلّٰهِ أَرْبَعِيْنَ يَوْمًا فِيْ جَمَاعَةٍ يُدْرِكُ التَّكْبِيْرَةَ الْأُوْلٰى كُتِبَ لَهٗ بَرَاءَ تَانِ بَرَاءَةٌ مِّنَ النَّارِ وَبَرَاءَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ. (ترمذي ص٥٦ ج ١)

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص چالیس دن ہر نماز جماعت کے ساتھ پڑھے، اس طرح کہ اس کی تکبیر اولیٰ بھی فوت نہ ہو، تو اس کے لیے دو برأتیں لکھ دی جاتی ہیں، ایک جہنم کی آگ سے، دوسرے نفاق سے۔

(٤) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰه ﷺ لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ اٰمُرَ فِتْيَتِيْ فَيَجْمَعُوْا لِيْ حَزْمًا مِنْ حَطَبٍ ثُمَّ اٰتِيْ قَوْماً يُصَلُّوْنَ فِيْ بُيُوْتِهِمْ لَيْسَتْ بِهِمْ عِلَّةٌ فَاَحْرِقُهَا عَلَيْهِمْ. (الترغيب والترهيب: ١/١٦٧، صحيح مسلم ٦٥١)

حضرت ابوہریرہؓ حضورِ اکرم ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا: میرا دل چاہتا ہے کہ چند نوجوانوں سے کہوں کہ بہت سا ایندھن اکٹھا کر کے لائیں، پھر میں ان لوگوں کے پاس جاؤں، جو (بلا عذر) گھروں میں نماز پڑھتے ہیں اور جا کر ان کے گھروں کو جلا دوں۔

(٥) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ سَمِعَ الْمُنَادِيَ فَلَمْ يَمْنَعْهُ مِنْ اتِّبَاعِهٖ عُذْرٌ قَالُوْا وَمَاالْعُذْرُ قَالَ خَوْفٌ أَوْ مَرَضٌ لَمْ تُقْبَلْ مِنْهُ الصَّلَاةُ الَّتِيْ صَلّٰى. (ابوداؤد ١/٨٠، مشكوٰة ص ٩٦)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں، جو شخص مؤذن کی آواز (اذان) سنے اور بلا کسی عذر مسجد نہ جائے بلکہ گھر میں ہی نماز پڑھ لے، تو وہ نماز قبول نہیں ہوتی، صحابہؓ نے عرض کیا کہ عذر سے کیا مراد ہے؟ ارشاد ہوا کہ مرض ہو، یا خوف ہو۔

(٦) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰه عَنْه أَنَّهٗ سُئِلَ عَنْ رَجُلٍ يَصُوْمُ النَّهَارَ وَيَقُوْمُ اللَّيْلَ وَلَايَشْهَدُ الْجَمَاعَةَ وَلَا الْجُمُعَةَ، فَقَالَ هٰذَا فِي النَّارِ. (ترمذی: رقم الحديث ٢١٨)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے کسی نے پوچھا کہ ایک شخص دن بھر روزے رکھتا ہے اور رات بھر نفلیں پڑھتا ہے؛ مگر جمعہ اور جماعت میں شریک نہیں ہوتا، اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ شخص جہنمی ہے۔

(٧) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ يُجِبْهُ فَلَاصَلَاةَ لَهٗ إِلَّا مِنْ عُذْرٍ. (مشكوٰة ٩٧)

حضرت ابن عباسؓ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جس شخص نے اذان سنی اور اس کا جواب نہ دیا، یعنی مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے نہ آیا، تو (بغیر جماعت کے پڑھنے کی صورت میں) اس کی نماز (مکمل طور سے) نہیں ہوئی؛ البتہ واقعی عذر ہو، تو مضائقہ نہیں۔

ان احادیثِ شریفہ سے جماعت کی فضیلت وتاکید اور اہمیت ظاہر ہوتی ہے کہ جو لوگ بلا کسی عذرِ محض کاہلی وسستی کی بنا پر گھروں میں نماز پڑھ لیتے ہیں، اُن پر نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کس قدر ناراض اور غصہ ہیں کہ ان کے گھروں میں آگ لگانے کو تیار ہیں؛ جب کہ آپ ﷺ کی شفقت ورحمت کا یہ حال تھا کہ کسی امتی کی ادنیٰ سی تکلیف بھی گوارا نہ فرماتے تھے۔

جماعت کے سلسلے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہتمام فرمانے کے متعلق ''فضائلِ جماعت'' (مؤلفہ فقیہ الاسلام حضرت اقدس مولانا مفتی مظفر حسین قدس سرہٗ) سے ایک تحریر ملخصاً ہم ذیل میں درج کرتے ہیں:

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اپنے اقوال وارشادات سے ہی جماعت کی اہمیت وضرورت کو بیان نہیں فرمایا؛ بلکہ عملی طور پر خود اس قدر جماعت کا اہتمام فرمایا کہ ہمیشہ مواظبت اور مداومت فرمائی، مرض الموت میں بھی جب کہ آپ پر غشی طاری ہوجاتی تھی، جماعت کا اتنا اہتمام تھا کہ جب ذرا افاقہ ہوا، تو جماعت سے نماز ادا کرنے کے لیے دو شخصوں کے سہارے مسجد تشریف لے گئے اور نماز جماعت سے ادا فرمائی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی (صحیح بخاری ص ۹۱ پر) ایک روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں، فرماتی ہیں:

لماثقل النبی ﷺ واشتدّ وجعه استاذن ازواجه ان يُمَرَّضَ في بيتي فأَذِنَّ لي فخرج بين رجلين تخُطُّ رجلاه الارض وكان بين العباس وبين رجل آخر قال عبيد اللّٰه فذكرت ذلك لابن عباس ما قالت عائشة فقال لی وهل تدری من الرجلُ الذی لم تُسَمِّ عائشةُ قلت لا قال هو علیّ بن ابی طالب. اهـ (صحيح البخاري: رقم الحديث:٦٦٥)

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گرانی ہوئی اور مرض بڑھ گیا، تو آپ ﷺ نے اپنی ازواج (مطہرات) سے اجازت چاہی کہ آپ کی تیمارداری میرے گھر میں کی جائے (چناں چہ) سب نے اجازت دے دی، پھر آپ (اسی بیماری کی حالت میں) دو شخصوں کے سہارے (یعنی) حضرت عباس اور ایک دوسرے شخص کے ہم راہ زمین پر پاؤں گھسیٹتے ہوئے (جماعت سے نماز پڑھنے کے لیے) تشریف لے گئے، عبید اللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ کی اس بات کا ابن عباسؓ سے

تذکرہ کیا، تو آپؓ نے فرمایا: کیا تجھے معلوم ہے کہ حضرت عائشہؓ نے جس کا نام نہیں لیا وہ کون تھا؟ میں نے کہا: نہیں! فرمایا وہ علی بن طالبؓ تھے۔

اس واقعے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جماعت کے ساتھ انتہائی اہتمام اور شغف ظاہر ہے کہ اس شدید بیماری کی حالت میں بھی آپ کو جماعت کا ترک گوارا نہ ہوا، اور دوسروں کے سہارے جماعت میں تشریف لے گئے، ایک ہم ہیں جو آپ ﷺ کی محبت کا دعویٰ کرنے والے ہیں، محض آرام وراحت اور اپنی سستی اور کاہلی اور دنیاوی اشغال میں انہماک کی بنا پر صحت وتندرستی ہونے کے باوجود بھی اس اہم اور ضروری چیز کو نہایت بے توجہی اور بے اعتنائی سے ترک کردیتے ہیں۔

اسلاف اور اہتمامِ جماعت

اسلاف کے دل میں دین کی سچی محبت اور عظمت تھی اور موت کے بعد کی زندگی کا پورا پورا احساس اور صحیح فکر تھا؛ اس لیے کبھی کسی شرعی کام میں ان کو آرام وراحت یا دیگر اعذار وموانع پیش نہ آتے تھے، ہر حکم کا پورے طور پر نہایت ہی خوش دلی اور مسرت کے ساتھ استقبال کرتے، کبھی کسی عمل میں کوئی نقصان یا کوتاہی نظر آتی، تو رنج وغم اور گریہ وبُکا طاری ہوجاتا اور سمجھتے کہ بہت بڑی خیر اور نفع کی چیز ہم سے چھوٹ گئی، شرعی احکام اور اسلامی تعلیمات کی ایک دو چیز نہیں؛ بلکہ تمام احکام واعمال کے ساتھ ان کا یہی معاملہ تھا، جماعت کی نماز کے ساتھ بھی ان حضرات کا وہی طرزِ عمل رہا، جو بقیہ دینی اُمور کے ساتھ تھا، ذیل میں ان حضرات سے متعلق اہتمامِ جماعت کے چند بصیرت افروز تذکرے اور واقعات نقل کیے جاتے ہیں؛ تاکہ ہم لوگوں کے لیے ذریعۂ عبرت وموعظت ہوں۔

لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَاب (سورۂ یوسف: آیت ۱۱۱) بے شک ان کے قصوں میں دانش مندوں کے لیے عبرت ہے۔

(۱) سعید بن مسیّب فرماتے ہیں کہ بیس سال کا طویل عرصہ گذر گیا ہے، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اذان ہوئی ہو اور میں پہلے سے مسجد میں موجود نہ ہوں۔ (إحیاء علوم الدین: ۱/۱۴۸/ دارالمعرفۃ/ بیروت)

بعض مؤرخین نے آپ کے بارے میں لکھا ہے کہ نماز باجماعت کا اتنا اہتمام تھا کہ پچاس سال تک ایک وقت کی بھی نماز باجماعت ناغہ نہیں ہوئی، کبھی ایسے وقت مسجد آنے کا اتفاق نہیں ہوا، جب لوگ نماز تمام کرچکے ہوں؛ حتیٰ کہ ان پُرآشوب زمانوں میں بھی جب کہ مدینۂ پاک میں گھر سے باہر قدم نکالنا اپنے کو ہلاک کرنا تھا، ان سے مسجد نہ چھوٹی؛ چناں چہ مدینہ کی تاریخ میں حرّۃ کا واقعہ

نہایت مشہور ہے، یہ واقعہ یزید اور حضرت ابن زبیر کے درمیان کش مکش کے زمانے میں ۶۳ھ پیش آیا تھا، اہلِ مدینہ نے حضرت عبداللہ بن حنظلہ کو سردار بنا کر یزید کی بیعت توڑ دی تھی، اس وقت یزید کی فوجوں نے تین دن قتلِ عام کیا اور لوٹتی رہی، اس زمانے میں کوئی شخص گھر سے باہر قدم رکھنے کی ہمت نہ کرتا تھا، شہر میں کرفیو کا ماحول تھا، گلیوں، سڑکوں اور مسجدوں میں سنّاٹا تھا، ایسے نازک وقت میں بھی حضرت سعید بن المسیب مسجد میں جا کر نماز پڑھتے تھے، بنی اُمیہ اُن کو دیکھ کر کہتے کہ اس بوڑھے مجنون کو دیکھو کہ اس حالت میں بھی مسجد ہی میں نماز پڑھتا ہے۔ (خلاصۃ الوفاء بأخبار دارالمصطفیٰ، الفصل التاسع: ص ۷۷)

(۲) محمد سماعہؒ ایک بزرگ عالم اور فقیہ ہیں، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے شاگرد ہیں، آپؒ فرماتے ہیں کہ مسلسل چالیس برس تک میری کبھی تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی؛ مگر جب کہ میری والدہ کا انتقال ہوا، تو ان کی تجہیز وتکفین کی مشغولی کی وجہ سے تکبیر اولیٰ چھوٹ گئی، آپ ہی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میری جماعت کی نماز فوت ہوگئی، تو میں نے اس وجہ سے کہ جماعت کی نماز کا ثواب پچیس درجہ زیادہ ہوتا ہے، اس نماز کو پچیس مرتبہ پڑھا؛ تاکہ وہ عدد پورا ہوجائے؛ لیکن خواب میں دیکھا کہ ایک شخص کہتا ہے کہ پچیس دفعہ نماز تو پڑھ لی؛ مگر ملائکہ کی آمین کا کیا ہوگا؟ (فوائدِ بہیہ ۱۷۰)

(۳) ایک نابینا شخص جماعت سے نماز پڑھنے کا بہت زیادہ اہتمام کرتا تھا؛ مگر نابینا ہونے کی وجہ سے نقصان بہت زیادہ اُٹھانا پڑتا تھا، اس کی بیوی اس کے نقصان کو دیکھ کر اس سے جھگڑتی تھی، ایک روز وہ مہموم ومحزون ہوکر سوگیا، صبح کو اُٹھا تو بینا ہوگیا، یہ نمازِ باجماعت کی برکت تھی کہ حق تعالیٰ نے بینائی عطا فرمادی۔ (نزہۃ)

(۴) ابن جوزیؒ نے لکھا ہے کہ بعض صلحا کی عشاء کی نماز باجماعت فوت ہوئی، تو اُنھوں نے اس کے تدارک میں پچیس نمازیں پڑھیں؛ تاکہ پچیس درجہ زیادہ ثواب حاصل کریں، رات کو اُنھوں نے خواب میں دیکھا کہ کچھ آدمی گھوڑے پر سوار ہیں، ان بزرگ نے بھی ان کا پیچھا کرنے کا ارادہ کیا، تو ان گھوڑے والوں میں سے ایک شخص نے کہا کہ ہم نے جماعت سے نماز پڑھی ہے۔ (نزہۃ)

(۵) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جب نماز باجماعت فوت ہوگئی تو آپ نے اس کے تدارک میں ایک لاکھ درہم کی زمین صدقہ فرمادی۔ (نزہۃ البساتین ۲/۷۰۰/ حکایت ۹۶۰)

(۶) حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی جب کبھی جماعت چھوٹ جاتی، تو ایک روزہ رکھتے، اور ساری رات جاگتے، اور ایک غلام آزاد کردیتے تھے۔ (نزہۃ البساتین ۲/۷۰۰/ حکایت ۹۶۱)

(۷) حضرت عمرؓ کے زمانے کا قصہ ہے کہ ایک نوجوان عشاء کی نماز کے لیے جارہا تھا، ایک عورت نے اس کو دیکھ لیا اور اس کو بدکاری کی دعوت دی، جوان اس کے پیچھے ہولیا، جاہی رہا تھا کہ یہ آیت یاد آئی: ان الذین اتقوا ذا مسھم طائف من الشیطان تذکروا فإذاھم مبصرون (بیشک جن کے دل میں خوف ہے، جب پڑ گیا ان پر شیطان کا گذر چونک گئے، پھر اسی وقت ان کو سمجھ آجاتی ہے)

یہ آیت یاد آتے ہی جوان بے ہوش ہوکر گر گیا، عورت نے جب اس کی بے ہوشی کو دیکھا، تو اس کو اپنے دروازے سے باہر پھینک دیا، اتفاق سے جوان کا باپ اس طرف آپہنچا، اس نے اس کو اُٹھایا اور جب وہ ہوش میں آیا، تو اس سے حالت دریافت کی، جوان نے دوبارہ وہی آیت پڑھی اور اسی وقت جان دے دی، جب دفن کردیا گیا، تو اس کی اطلاع حضرت عمرؓ کو ہوئی، آپؓ قبر پر پہنچے اور فرمایا: وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَان (اور جو ڈرا اپنے رب کے (سامنے) کھڑا ہونے سے اس کے لیے دو باغ ہیں) اس نے اندرونِ قبر سے جواب دیتے ہوئے کہا کہ مجھے میرے رب نے دونوں عطا کردیے ہیں۔ (نزہۃ البساتین) (فضائل جماعت ص ۷۰)

اہتمامِ جماعت کے تعلق سے اسلاف کے یہ عبرت آمیز نمونے اور سبق آموز واقعات ہیں، ہر زمانے میں اللہ کے مخلص بندوں کی کثرت رہتی ہے، جنھیں خشوع وخضوع کے ساتھ نماز باجماعت کا اہتمام ہوتا ہے۔

ایک واقعہ

اس عاجز کو تقریباً ستائیس سال پہلے کا واقعہ آج تک ذہن میں مستحضر ہے کہ جب حضرتِ والا مفتی مہربان علی بڑوتیؒ اپنے شیخ ومرشد حضرت اقدس مفتی مظفر حسین قدس سرہٗ کی خدمت میں قبل العشاء حاضر تھے، حضرتِ والا ان ایام میں علیل تھے، عذر کے باعث اپنی نماز اول وقت میں اپنی جماعت سے ادا کرکے فارغ ہوجاتے، حضرت بڑوتیؒ باوجود یہ کہ حُبِّ شیخ؛ بلکہ فنافی الشیخ کے مقام پر فائز تھے، نمازِ عشاء کے وقت حضرتِ والاؒ فرمانے لگے، میں تو اپنی نماز ابھی پڑھوں گا، ایسے وقت عموماً مریدین شیخ کی اتباع میں شریک جماعت ہوجایا کرتے ہیں؛ لیکن حضرت بڑوتیؒ نے واضح الفاظ میں عرض کردیا حضرت! میں نمازِ عشاء مسجد میں ادا کروں گا، حضرتؒ نے فرمایا بہتر ہے، پھر واپسی پر حضرت بڑوتیؒ نے وضاحت کرتے ہوئے رفقائے سفر سے فرمایا کہ ’’حضرتِ والا کو تو عذر ہے، معذورین کے لیے مسجد کی جماعت ترک کرنے کی گنجائش ہے، ہمارے لیے نہیں؛ چوں کہ ہمیں تو کوئی

عذر نہیں؛ اس لیے ہمیں عزیمت پر عمل کرنا چاہیے؛ چوں اصل اتباعِ شریعت ہے، طریقت شریعت کے تابع ہے''۔

احقر نے اپنے شیخ ومرشد حضرت اقدس مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی دامت برکاتہم (شیخ الحدیث ومہتمم دارُالعلوم دیوبند) کی مجلسِ بیعت میں متعدد مرتبہ حاضر رہتے ہوے سنا، حضرتِ والا بہ وقتِ بیعت صغائر وکبائر معاصی سے اجتناب کی توبہ کے ساتھ جن اُمور کی پابندی کا عہد کراتے ہیں ان میں بہ طورِ خاص نماز باجماعت کا اہتمام بھی شامل رہتا ہے؛ بلکہ سلسلے میں داخل فرمانے کے بعد معمولات وہدایات میں اس عہد کا بھی ذکر فرماتے ہیں کہ ہر نماز باجماعت مسجد میں ادا کرنا ہے۔

چوں کہ یہ پہلو بڑا افسوس ناک ہے کہ اس زمانے میں صرف عوام کی ہی شکایت نہیں؛ بلکہ علماء اور طلباء بھی جماعت کا اہتمام کم کرتے ہیں، جماعت کے فضائل ومحاسن سے متعلق ارشاداتِ نبوی، اقوالِ صحابہ ومشائخ اور ان کے عملی طور پر اہتمامِ جماعت کے حالات اور تذکرے پڑھتے پڑھاتے ہیں؛ مگر دلوں میں کوئی اثر واحساس خاطر خواہ پیدا نہیں ہوتا؛ حالاں کہ اہلِ علم کی ذمے داری اُخروی مواخذے کے بہ نسبت عوام سے کہیں زیادہ ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم سب اس سلسلے میں غور وفکر کریں اور دینی اعتبار سے اپنے احوال میں بہتری لانے کی کوشش کریں؛ چوں کہ تمام تعلیم وتعلّم کا بنیادی مقصد مزاج میں دین داری کا پیدا ہونا ہے اور دین داری میں ایمان وتوحید کے بعد سب سے اہم ومہتم بالشان فریضہ نمازوں کی ادائیگی ہے، ہم خدامِ دین ہر ہر موقعے پر فرائض کی ادائیگی کو عملی طور پر اوّل درجہ دیں، کوئی دینی پروگرام ہو، اجلاس کا نظام ہو، یا اور کوئی ضروری دینی تقاضا ہو، بہر صورت وہ نماز سے بڑھ کر نہیں ہوسکتا، ہم خدامِ دین عملی طور پر فرائض کی پابندی تکبیر اولیٰ کے ساتھ جس قدر اہتمام سے کریں گے، اس کے نفع بخش اثرات نہ صرف ہماری ذاتی زندگی میں ظاہر ہوں گے؛ بلکہ طلبہ اور عوام الناس کے ذہنوں پر بھی اس کے دوررس ثمرات مرتب ہوں گے۔

اللّٰھم وفقنا لما تحبُّ وترضیٰ

* * *

قرآن کریم یاد کر کے بھلا دینا

از: مولانا عبید الرحمٰن
دارالافتاء والارشاد، مردان

فتنوں سے بھرے ہوئے اس دور میں جہاں دیگر معاصی ومنکرات عروج پر ہیں یوں ہی قرآن کریم یاد کر کے بھلانے کا گناہ بھی عام ہے، احادیث مبارکہ میں اس کی مذمت بھی وارد ہوئی ہے، اس عاجز وحقیر نے متعدد جگہ یہ مسئلہ بھی بیان کیا اور وعید کی ایک آدھ روایت بھی سنائی، تاہم بعد میں ''مرقات'' وغیرہ شروح حدیث میں قرآن بھولنے کا جدا مفہوم سامنے آیا، اس مفہوم کے دیکھنے کے بعد وعید سنانے سے رُک گیا؛ تاہم اس مفہوم کے حوالے سے دل میں طویل عرصہ تک کھٹکا رہا، اس کے لیے فکر ومطالعہ کا عمل جاری رہا، ان چند صفحات میں اسی پر کچھ ضابطے کی گفتگو کرنی مقصود ہے۔

مذمت پر مشتمل حدیث

''سنن ابی داؤد'' میں ہے:

عن أنس بن مالك، قال: قال رسولُ اللّٰه -صلى اللّٰه عليه وسلم-: "عُرِضَت عليَّ أُجورُ أمَّتي حتَّى القَذَاةُ يُخرِجُها الرجلُ من المَسجِدِ، وعُرِضَت عليَّ ذُنوبُ أُمَّتي فلم أَرَ ذَنباً أعظَمَ من سُورةٍ من القُرآنِ أو آيةٍ أُوتِيَها رجلٌ ثمَّ نَسِيَها".(۱)

ترجمہ: ''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ کا ارشاد گرامی منقول ہے کہ مجھے امت کا اجر وثواب دکھایا گیا، یہاں تک کہ اس نیکی کا ثواب بھی دکھایا گیا کہ کوئی مسجد سے کوئی خس وخاشاک باہر نکالے۔ اس کے ساتھ ساتھ مجھے امت کے گناہ بھی دکھائے گئے تو ان میں سب سے بڑا گناہ قرآنِ کریم کی کوئی سورت یا آیت حفظ کر کے بھلانا پایا''۔

یہ روایت سنن ابی داؤد کے علاوہ سنن ترمذی وغیرہ کتبِ سنن میں بھی ہے۔ اب ایک تو اس روایت کی اسنادی حیثیت ہے جس پر مختلف محدثینِ کرام نے کلام فرمایا ہے، حافظ عبد العظیم منذری نے ''الترغیب والترہیب'' میں اور علامہ ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ نے ''الزواجر'' میں اس پہلو سے تفصیلی

طور پر تعرض فرمایا ہے، اہلِ ذوق اس کی طرف مراجعت فرما سکتے ہیں۔[۲]

اس میں اتنی بات مزید کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ اکثر محدثین کرام کا رجحان اسی جانب ہے کہ یہ روایت اسنادی لحاظ سے کمزور ہے؛ تاہم قرآنِ کریم بھولنے کی وعید و مذمت اسی ایک حدیث ہی میں نہیں ہے؛ بلکہ یہ دیگر روایات میں بھی بیان فرمایا گیا ہے اور اس کے گناہ ہونے پر مستند اہل علم کا تقریباً اتفاق ہے، اگرچہ کبیرہ ہونے نہ ہونے میں آراء مختلف ہیں جس کی تفصیل حضرت علامہ ہیتمی رحمہ اللہ نے ''زواجر'' میں بیان فرمائی ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اس کی کچھ ضروری تفصیل ذکر فرمائی ہے۔[۳] اہلِ علم کا اس کو گناہ شمار کرنا مذمت کی ان روایات کو قبول کرنے کے مترادف ہے۔

حدیث کا مفہوم

اس حدیث (کے متعلقہ حصے) کا متبادر مفہوم یہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ پر امت کے گناہ پیش کیے گئے، ان گناہوں میں سے آپ ﷺ نے اس سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں دیکھا کہ کسی شخص کو خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے مکمل قرآنِ کریم یا اس کے کسی حصے کے یاد کرنے کی سعادت نصیب ہوئی اور پھر وہ اس کو بھول جائے، یہ ایسا گناہ ہے جو امت کے بڑے بڑے گناہوں میں بھی سرِ فہرست ہے۔

اس حدیث کے سمجھنے میں دو قسم کی غلط فہمیاں پیش آتی ہیں:

۱: پہلی غلط فہمی عوامی نوعیت کی ہے جس میں عام لوگ مبتلا ہوتے ہیں، وہ یہ ہے کہ اس مذمت کو مکمل قرآن کریم کے ساتھ خاص سمجھتے ہیں، ان کا خیال ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص مکمل قرآن کریم یاد کر کے اس کو بھول جاتا ہے تو یہ مذموم اور گناہ ہے؛ لیکن اگر مکمل قرآن کریم حفظ نہ کرے، چند سورتوں یا پاروں ہی کو یاد کر لے تو ان کو بھلانا مذموم یا گناہ نہیں ہے۔ اس کے غلط ہونے کی وجہ یہ ہے کہ درج بالا روایت میں سورت اور آیت کا خاص طور پر ذکر ہے اور مذمت اسی کی کی گئی ہے، پورے قرآن کریم کو یاد کر کے بھلانے کی اس میں کوئی قید مذکور نہیں ہے۔

فلم أَرَ ذَنباً أعظَمَ من سُورةٍ من القُرآن أو آيةٍ أُوتِيَها رجلٌ ثمَّ نَسِيَها".

ترجمہ: ''میں نے ان میں سب سے بڑا گناہ قرآن کریم کی کوئی سورت یا آیت حفظ کر کے بھلانا دیکھا''۔

۲: دوسری غلط فہمی ''نسیان'' کے معنی میں پیش آجاتی ہے، یہاں اس کو قدرِ تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔

ان روایات میں قرآن کریم کے ''نسیان'' پر وعید وارد ہوئی ہے، نسیان کا معنی بھولنا ہے،

بھولنے کا مفہوم یہی ہوتا ہے کہ ایک چیز پہلے سے یاد ہو پھر ذہن سے غائب ہو جائے، جانی پہنچانی چیز کے ذہن سے نکلنے کو اردو میں بھولنا اور عربی میں نسیان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ''تعریفات'' میں ہے:

النسیان: ھو الغفلة عن معلوم فی غیر حالة السِنَة.(۴)

ترجمہ: ''اونگھ کے علاوہ (بیداری کی حالت) میں معلوم چیز سے غفلت کو نسیان (بھولنا) کہا جاتا ہے''۔

''دستور العلماء'' میں ہے:

النسیان: زوالُ صورةِ المعلومِ عن النفس بحیث لا تَتَمَکَّنُ من مُلاحظتِها إلّا بِتَجَشُّمِ إدراكٍ جدیدٍ.(۵)

ترجمہ: ''دل سے معلوم چیز کی صورت اس طور پر نکلے کہ دوبارہ معلوم کرنے کی کلفت برداشت کیے بغیر یاد نہ رہے، اسے نسیان (بھول) کہا جاتا ہے''۔

اس کے پیشِ نظر درج بالا روایت کا مفہوم یہ ہوا کہ جو شخص قرآنِ کریم کی کسی سورت یا آیت کو ایک بار یاد کرے اور پھر اس کو بھول جائے تو وہ بہت بڑے گناہ کا مرتکب اور گناہ گار و مجرم ہے۔

''نسیان'' کی ایک دوسری تشریح

ہمارے بعض علماء حنفیہ نے یہاں نسیان کا معنی یہ بیان فرمایا ہے کہ کوئی شخص قرآن دیکھ کر بھی نہ پڑھ سکے، جس کو ہمارے ہاں ''ناظرہ پڑھنا'' کہا جاتا ہے، ان حضرات کی تفسیر کے مطابق اگر کوئی شخص ایک سورت و آیت یا پورا قرآن کریم حفظ کرلے اور پھر اس حد تک بھول جائے کہ قرآن دیکھے بغیر یاد کے ساتھ اس کی تلاوت نہ کرسکے، صرف ناظرہ دیکھ کر پڑھ سکتا ہو تو وہ اس مذمت کا مصداق نہیں ہوگا۔

اس تشریح کے مصادر

''نسیان'' کی یہ تشریح علم فقہ اور شروح حدیث کی متعدد کتابوں میں ذکر کی گئی ہے، ''فتاویٰ ہندیہ''، ''تاتارخانیہ''، ''بریقہ محمودیہ''، ''مرقاۃ المفاتیح'' اور ''بذل المجہود'' وغیرہ کتابوں میں اس کا یہی مفہوم ذکر کیا گیا ہے، نمونہ کے طور پر یہاں دو عبارتیں درج کی جاتی ہیں، ''فتاوی ہندیہ'' میں ہے:

إذَا حَفِظَ الإنسانُ القرآنَ ثم نَسِیَهٗ فإنّه یَأْثَمُ، وتفسیرُ النسیانِ أنْ لَا یُمْکِنَهُ القراءةُ مِنَ المُصْحَف.(۶)

ترجمہ: ''اگر کوئی شخص قرآن مجید یاد کرنے کے بعد بھلائے تو وہ گنہگار ہوگا۔ بھلانے کا معنی یہ ہے کہ وہ قرآن مجید دیکھ کر بھی نہ پڑھ سکے''۔

''فتاوی تارتارخانیہ'' میں ہے:

وفی الیتیمة: إذا حفظ الإنسانُ القرآنَ ثمّ نَسِیَهٗ فإنّه یَأْثَمُ، وروی فیه عن أنس بن مالك عن النبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم... قال یوسفُ بن محمدٍ: وتفسیرُ النّسیانِ أنْ لا یُمْکِنَهٗ القراءةُ مِن المصحف.(۷)

ترجمہ: ''اگرکوئی قرآن حفظ کرنے کے بعد بھلائے تو وہ گنہگار ہوگا، اس بارے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وساطت سے آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی نقل ہے کہ۔۔۔علامہ یوسف بن محمد فرماتے ہیں کہ بھلانے کا معنی یہ ہے کہ وہ قرآن دیکھ کر بھی پڑھ نہ سکے''۔

اس تشریح کو ذکر کرنے والے بزرگ شیخ ''یوسف بن محمد'' سے کون مراد ہیں؟ اور اس کا فقہی مقام ومرتبہ کیا ہے؟ اس کے متعلق ''طبقاتِ حنفیہ'' کی ورق گردانی کرنے سے واضح ہوا کہ اس نام سے فقہائے احناف میں متعدد علماء وفقہاء گزرے ہیں، علامہ عبدالحئ لکھنوی رحمہ اللہ ''الفوائد البہیۃ'' میں اس نام کے جن علماء وفقہاء کا ذکر کیا ہے، ان میں سے بیشتر وہ ہیں جو یا تو صاحبِ تتارخانیہ سے متاخر ہیں یا اگر معاصر ہیں تو عمر میں بہت چھوٹے ہیں؛ اس لیے ان کا قول ''فتاویٰ'' میں ذکر کرنا مستبعد ہے؛ تاہم ''جواہر مضیہ'' میں اس نام کے متعدد ایسے علماء وفقہائے کرام بھی ہیں جو صاحب فتاویٰ تتارخانیہ سے کافی متقدم ہیں اور ان کے اقوال سے استفادہ کرنا کچھ مستبعد نہیں ہے، اگرچہ اس نام کے متعین مصداق کے بارے میں کوئی قوی قرینہ سامنے نہیں آیا۔

اس دوسری تشریح کا اصولی تجزیہ

اصولی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو یہی واضح ہوتا ہے کہ ان احادیثِ مبارکہ میں ''نسیان'' اپنے عام متبادر معنی میں ہے اور اس کا مصداق یہی ہے کہ قرآنِ کریم کل یا اس کا کچھ حصہ یاد کرکے آدمی بھول جائے، یہ دوسری تشریح درست معلوم نہیں ہوتی، جس کی وجوہات درج ذیل ہیں:

۱: کلمہ وکلام میں اصل یہی ہے کہ حقیقت پر محمول ہو، کسی اصولی بنیاد کے بغیر نصوص کے الفاظ کو اپنے حقیقی متبادر معانی سے پھیر کر دوسرے معنی پر حمل کرنا جائز نہیں۔

۲: یہ حدیث وعید کے لیے ہے اور دوسری تشریح کی صورت میں وعید کچھ زیادہ معنی خیز نہیں رہتی؛ چنانچہ ایسا شاذ ونادر ہی ہوتا ہے کہ کوئی شخص تحریر پڑھنا جانتا ہو اور پھر وہ اس حد تک بھول جائے کہ دیکھ کر تحریر نہ پڑھ سکے۔ ہم نے پوری زندگی میں اس کی ایک مثال بھی نہیں دیکھی۔

۳: یہ روایت تمام مسلمانوں کے لیے ہے اور سبھی کی طرف حکم متوجہ ہوتا ہے؛ لیکن درج بالا

تشریح کو اختیار کیا جائے تو امی لوگ، جو تحریر پڑھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے، اس سے نکل جائیں گے؛ کیونکہ وہ زبانی طور پر ہی حفظ کرتے ہیں، مصحف دیکھ کر پڑھنا تو یوں ہی ان کی استطاعت میں نہیں ہوتا۔ اسی طرح نابینا لوگ بھی اس حدیث کے تحت داخل نہیں ہوں گے۔

کیا یہ حنفیہ کا مسلک ہے؟

بعض کتابوں میں اس توجیہ کو فقہائے حنفیہ کی جانب منسوب فرمایا گیا ہے، مثال کے طور پر ''بذل المجہود'' میں ہے:

(عن سعد بن عبادة قال: قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم-: مَا مِنْ إمْرَءٍ يقرأُ القرآنَ ثم ينساه) أى بالنظر عندنا، وبالغيب عند الشافعى، أو المعنى ثم يترك قراءته نسى أو ما نسى.(۸)

ترجمہ: ''حضرت سعد بن عبادۃ رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ کا ارشاد گرامی نقل ہے کہ جو کوئی قرآن پڑھتا ہے پھر اسے بھلائے یعنی ہمارے حنفیہ کے نزدیک وہ دیکھ کر نہ پڑھ سکے، یا حضرات شافعیہ کے نزدیک یاد نہ رہے یا حدیث کا معنی یہ ہے کہ قرآن مجید پڑھ کر اس کی تلاوت ترک کرے خواہ وہ یاد رہے یا نہ رہے (تو وہ قیامت کے دن جذامی بن کر اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوگا)''۔

اس سے یہ تأثر ملتا ہے کہ شاید فقہائے حنفیہ کا یہی موقف ہے، ان جیسی عبارات کی بنیاد پر بہت سے مقلدین احناف بھی حدیث کی یہی تشریح اختیار کر لیتے ہیں؛ لیکن حقیقت یہ ہے کہ حنفیہ کی جانب اس موقف کی نسبت کرنا درست نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حنفیت کا معیار یہ ہے کہ کوئی مسئلہ ائمۂ حنفیہ اور مشائخ مذہب سے بااعتماد طریقے سے منقول ہو اور ''اصول افتاء'' کے مطابق وہ مذہب کا راجح قول بھی ہو۔ اس تناظر میں زیرِ بحث تشریح کو دیکھا جائے تو اس کو حنفیہ کا موقف ٹھہرانا بالکل درست معلوم نہیں ہوتا۔

یہی وجہ ہے کہ بہت سے حنفیہ نے بھی اس کے خلاف تشریح ذکر فرمائی ہے؛ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ جیسے متصلب حنفی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

وفى هذا زجر وتشديد، فإن نسيان القرآن ليس أعظم الذنوب، وإن عدَّه بعض العلماء من الكبائر، كما نقله مولانا جلال الدوانى عن الرويانى فى (شرح العقائد العضدية) لكن بعضهم أوّلوا بنسيانه بحيث لا يقدر على قراءته من المصحف، والظاهر من الحديث نسيانها بمعنى عدم الحفظ عن ظهر القلب، وعليه حمله الشارحون.(۹)

ترجمہ: ''اس حدیث مبارکہ میں بہت زجروتوبیخ ہے قرآن کریم کا بھلانا گناہ کبیرہ نہیں اگرچہ بعض علماء کرام اسے کبیرہ گناہوں میں سے شمار کرتے ہیں، جیسا کہ علامہ دوانیؒ نے شرح عقائد عضدیہ میں رویانی سے نقل کیا ہے؛ مگر بعض حضرات نے اس کا مطلب یہ بیان فرمایا ہے کہ بھلانے سے مراد یہ ہے کہ وہ دیکھ کر بھی پڑھنے پر قادر نہ ہو؛ مگر حدیث کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ بھلانے سے مراد دیکھے بغیر یاد نہ رہنا ہے شارحین نے اس کا یہی معنی مراد لیا ہے''۔

مشہور حنفی عالم علامہ ابن الملک کرمانی رحمہ اللہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

"ثم نسيها"؛ يعنى: يكون ذنبه أعظم من سائر الذنوب الصغائر؛ لأن نسيان القرآن من الحفظ ليس بذنب كبير إن لم يكن عن استخفاف وقلة تعظيم، وإنما قال -عليه الصلاة والسلام - بهذا للتشديد والتحريض على مراعاة حفظ القرآن.(۱۰)

ترجمہ: ''صغیرہ گناہوں میں سے قرآن یاد کرکے بھلانا بڑا گناہ ہے؛ کیونکہ قرآن مجید کا بھلانا اگر لاپرواہی اور بے توقیری کی وجہ سے نہ ہو تو گناہ کبیرہ نہیں۔ باقی آپ ﷺ نے جو وعید ذکر فرمائی ہے وہ (اہمیت کی وجہ سے) اس معاملہ میں سختی اور قرآن یاد رکھنے کی ترغیب کے طور پر فرمائی ہے''۔

''نسیان'' کی تیسری تشریح اور اس کا تجزیہ

بعض اہلِ علم سے یہاں ''نسیان'' کی ایک اور تشریح بھی منقول ہے، وہ یہ ہے کہ یہاں نسیان سے بھلانا مراد نہیں ہے؛ بلکہ قرآن کریم یا اس کے یاد کردہ آیت/سورت پر عمل نہ کرنا مراد ہے، حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

وقد كان بن عُيَيْنَةَ يَذْهَبُ فِي أَنَّ النِّسْيَانَ الَّذِي يَسْتَحِقُّ عَلَيْهِ صَاحِبُهُ اللَّوْمَ وَيُضَافُ إِلَيْهِ فِيهِ الْإِثْمُ هُوَ التَّرْكُ لِلْعَمَلِ بِهِ، وَمَعْلُومٌ أَنَّ النِّسْيَانَ فِي كَلَامِ الْعَرَبِ التَّرْكُ، قَالَ اللَّهُ عَزَّ وجل (فلما نسوا ما ذكروا به) أَيْ تَرَكُوا... وَلَيْسَ مَنِ اشْتَهَى حِفْظَهُ وَتَفَلَّتَ مِنْهُ بِنَاسٍ لَهُ إِذَا كَانَ يُحَلِّلُ حَلَالَهُ وَيُحَرِّمُ حَرَامَهُ، قَالَ وَلَوْ كَانَ كَذَلِكَ مَا نَسِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا مِنْهُ قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ (سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسَى).(۱۱)

ترجمہ: ''امام ابن عیینہؒ کی رائے یہ ہے کہ جس بھلانے پر بندہ قابلِ ملامت بنتا ہے اور گنہگار ہوتا ہے اس سے مراد قرآن پر عمل نہ کرنا ہے؛ کیونکہ کلامِ عرب میں ''نسیان'' کا مادہ ''چھوڑنے'' کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''پھر جب وہ اس نصیحت کو بھول گئے جو ان کو کی گئی تھی''، یعنی اسے ترک کیا۔ اس وعید سے مراد وہ شخص نہیں جو قرآن یاد کرنے کی خواہش رکھتا ہو

اس کے حلال وحرام کی رعایت بھی رکھے پھر اس سے بھول جائے، تو وہ بھلانے والا شمار نہیں ہوگا، ورنہ آپ ﷺ سے قرآن کی کوئی آیت مبارکہ یاد سے نہ رہ جاتی۔ باری تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: ''البتہ ہم آپ کو پڑھائیں گے پھر آپ نہ بھولیں گے''۔

یہ تو درست ہے کہ قرآن کریم کے احکام وتعلیمات پر عمل نہ کرنا مذموم ہے، جس حد تک بے عملی ہوگی، اس حد تک مذمت بھی کم یا زیادہ ہوگی؛ تاہم درج بالا حدیث میں نسیان کو خاص اس معنی پر حمل کرنا اصولی نقطۂ نظر سے درست معلوم نہیں ہوتا، اس میں وہی اشکالات ہیں جو درج بالا سطور میں دوسری تشریح کے اصولی تجزیے میں ذکر کیے گئے ہیں۔ قاضی شوکانی مرحوم بجا لکھتے ہیں:

وَقِيلَ الْمُرَادُ بِقَوْلِهِ: "نَسِيَهَا" تَرَكَ الْعَمَلَ بِهَا. وَمِنْهُ قَوْله تَعَالَى: (نَسُوا اللَّهَ فَنَسِيَهُمْ) وَهُوَ مَجَازٌ لَا يُصَارُ إلَيْهِ إلَّا لِمُوجِبٍ.(۱۲)

ترجمہ: ''بعض حضرات نے قرآن بھلانے سے اس پر عمل نہ کرنا مراد لیا ہے، جیسا کہ باری تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے کہ ''وہ اللہ کو بھول گئے سو اللہ نے انہیں بھلا دیا''؛ مگر یہ نسیان کا مجازی معنی ہے اور بغیر کسی ضرورت کے اسے مراد لینا درست نہیں (جب کہ یہاں کوئی ضرورت نہیں)''۔

کوتاہی کے بغیر قرآن بھول جائے تو حکم

جن اہلِ علم نے مذکورہ احادیث میں ''نسیان'' کو بھولنے کے بجائے دوسرے معانی پر حمل کیا ہے، ان میں سے بیش تر حضرات کے سامنے اس کی ایک وجہ یہ رہی ہے اور متعدد حضرات نے اس کی صراحت بھی فرمائی ہے کہ بسا اوقات انسان تلاوت کرتا رہتا ہے؛ لیکن حافظہ کی کمزوری، بیماری یا دیگر مصائب وآفات کی وجہ سے وہ بھول جاتا ہے، ''نسیان'' کو بھولنے کے معنی میں لینے کی صورت میں یہ شخص بھی اس وعید کے تحت داخل ہوگا؛ جب کہ بظاہر اس کا کوئی قصور معلوم نہیں ہوتا اور شرعی ضوابط سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص گناہ گار ومجرم نہ ہو۔(۱۳)

لیکن اس بات کو بنیاد اور اس کی بنیاد پر نسیان کے حقیقی معنی کو چھوڑ کر دوسرے معانی پر حمل کرنا درست نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ گناہ ہو یا ثواب دونوں کا تعلق انسان کے اختیاری اعمال کے ساتھ ہوتا ہے، ان جیسے مصائب وتکالیف کی وجہ سے اگر کوئی شخص قرآن کریم بھول جاتا ہے باوجودیکہ وہ اپنی استطاعت کے مطابق مناسب وقفہ سے تلاوت کرتا رہتا ہے، تو ظاہر ہے کہ وہ معذور شمار ہوگا؛ لیکن اس کی معذوری کی وجہ یہ نہیں ہوگی کہ یہاں نسیان کا معنی دوسرا ہے؛ بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ نسیان اس شخص کی کسی کوتاہی اور غفلت سے پیدا نہیں ہو؛ بلکہ ایک گونا غیر اختیاری ہے۔

''سنن ابی داؤد'' کے مشہور شارح علامہ شہاب الدین احمد بن رسلان رملی شافعی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

قال: وليس هو بذنب؛ لأن الذنب ما يكتسبه الإنسان ويفعله اختيارًا دون ما (يفعل به و) يحمل عليه اضطرارًا؛ لقوله صلى اللّٰه عليه وآله وسلم: "لا يقولن أحدكم نسيت آية كذا، وإنما هو نسي". وكفى بنسيان كلام اللّٰه تعالى عقوبة، ومن نسي كلام اللّٰه تعالى نسي اللّٰه، ومن نسي اللّٰه تعالى خسر الدارين، فأما من نسي القرآن لعلة تلحقه (عن آفة) من كبر أو مرض أو سوء مزاج وهو مع ذلك مقبل على تلاوة ما يقدر عليه فإنه إن شاء اللّٰه غير آثم.(۱۴)

ترجمہ: ''اپنے اختیار سے کسی ممنوع کام کا ارتکاب کرنا گناہ ہے، مجبوری یا غیر اختیاری طور پر کسی کام کا صادر ہونا گناہ نہیں؛ کیونکہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ''ہرگز کوئی یہ نہ کہے کہ میں فلاں آیت کو بھول چکا ہوں؛ بلکہ وہ مجھ سے بھول گئی ہے''۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کو بھلانا بڑا گناہ ہے؛ کیونکہ جو اللہ تعالیٰ کا کلام بھلاتا ہے اسے اللہ بھلاتا ہے اور جسے اللہ بھلائے وہ دونوں جہانوں میں برباد ہوا؛ البتہ اگر کوئی اپنی استطاعت کی حد تک تلاوت کرنے کے باوجود بیماری، بڑھاپے، یا مزاج کی خرابی کی وجہ سے قرآن بھول جائے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یہی امید ہے کہ وہ گناہ گار نہ ہوگا''۔

علامہ ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

(بَابُ الْأَحْدَاثِ، الْكَبِيرَةُ الثَّامِنَةُ وَالسِّتُّونَ نِسْيَانُ الْقُرْآنِ)

قَالَ الْجَلَالُ الْبُلْقِينِيُّ وَالزَّرْكَشِيُّ وَغَيْرُهُمَا: مَحَلُّ كَوْنِ نِسْيَانِهِ كَبِيرَةً عِنْدَ مَنْ قَالَ بِهِ إذَا كَانَ عَنْ تَكَاسُلٍ وَتَهَاوُنٍ انْتَهَى، وَكَأَنَّهُ احْتَرَزَ بِذَلِكَ عَمَّا لَوْ اشْتَغَلَ عَنْهُ بِنَحْوِ إغْمَاءٍ أَوْ مَرَضٍ مَانِعٍ لَهُ مِنْ الْقِرَاءَةِ وَغَيْرِهِمَا مِنْ كُلِّ مَا لَا يَتَأَتَّى مَعَهُ الْقِرَاءَةُ، وَعَدَمُ التَّأْثِيمِ بِالنِّسْيَانِ حِينَئِذٍ وَاضِحٌ لِأَنَّهُ مَغْلُوبٌ عَلَيْهِ لَا اخْتِيَارَ لَهُ فِيهِ بِوَجْهٍ بِخِلَافِ مَا إذَا اشْتَغَلَ عَنْهُ بِمَا يُمْكِنُهُ الْقِرَاءَةُ مَعَهُ، وَإِنْ كَانَ مَا اشْتَغَلَ بِهِ أَهَمَّ وَآكَدَ.(۱۵)

ترجمہ: ''علامہ جلال الدین دوانی اور علامہ زرکشی وغیرہ حضرات فرماتے ہیں کہ جو لوگ قرآن بھلانے کو گناہِ کبیرہ سمجھتے ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ وہ سستی یا کاہلی کی وجہ سے قرآن بھول جائے۔ بظاہر اس سے وہ بے ہوشی، یا تلاوت سے روکنے والی بیماری وغیرہ امور کو نکالنا مراد ہے؛ کیونکہ اس صورت میں گنہگار نہ ہونا واضح ہے؛ کیونکہ وہ مجبور اور بے اختیار ہے؛ البتہ اگر کوئی تلاوت کی استطاعت کے

باوجوداس سے اعراض کرے اگر چہ وہ کام بھی اہم اور ضروری ہو (پھر بھی وہ گنہگار ہوگا'')۔

واللّٰہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

* * *

حواشی

(۱) سنن أبی داود، کتاب الصلوة، باب فی کنس المسجد، ج1، ص346.

(۲) الترغیب والترهیب للمنذری، کتاب العلم، الترهیب من کتم العلم، ج1، ص122.
الزواجر عن اقتراف الکبائر، بَابُ الْأَحْدَاثِ، الْکَبِیرَةُ الثَّامِنَةُ وَالسِّتُّونَ نِسْیَانُ الْقُرْآنِ، ج1، ص199.

(۳) فتح الباری لابن حجر، باب نسیان القرآن، ج9، ص86.

ولا یصح الاستدلال بهذه الآیة علی أن من حفظ القرآن ثم نسیه یحشر یوم القیامة أعمی لأن هذا اختلف فیه العلماء (فذهب) مالك إلی أن حفظ الزائد عما تصح به الصلاة من القرآن مستحب أکیدا ابتداء ودواما فنسیانه مکروه (وذهب) الشافعی إلی أن نسیان کل حرف منه کبیرة تکفر بالتوبة والرجوع إلی حفظه (وظاهر) مذهب الحنابلة أن نسیانه من الکبائر (وقالت) الحنفیة نسیانه کله أو بعضه ولو آیة کبیرة.

وقد صَنَّف الدَّوَانی رسالةً فی تعداد الکبائر، وعَدَّ فیها نِسیانَ القرآن منها. قلتُ: وأخذت من الفتاوی البَزَّارِیة أنه کان یقرأ القرآنَ من المصحف، ولم یکن حافظًا، ثُم نسیه، فهو أیضًا کبیرة.

(٤) التعریفات، باب النون، ص241.

(٥) دستور العلماء، باب النون مع الصاد المهملة، ج3، ص278.

(٦) الفتاوی الهندیة، کتاب الکراهیة، الباب الرابع فی الصلاة والتسبیح، ج5، ص315.

(۷) الفتاوی التتارخانیة، کتاب الصّلاة، مسائل زلة القاری، رقم المسألة 1910. ج2 ص120.

(۸) بذل المجهود، کتاب الصلوة، بابٌ: أُنْزِلَ الْقُرْآنُ عَلَی سَبْعَةِ أَحْرُفٍ، ج6، ص190.

(۹) لمعات التنقیح، کتاب الصلوة، باب المساجد، اَلْفَصْلُ الثَّانِی، ج2، ص475.

(۱۰) شرح المصابیح، کتاب الصلوة، باب المَساجِد ومَواضع الصَّلاةِ، ج1، ص434.

(۱۱) الاستذکار، کتاب القرآن، بَابُ مَا جاء فی القرآن، ج2، ص488.

(۱۱) یہاں نسیان کی جو تشریح حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے نقل کی گئی ہے، علامہ ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ نے علامہ ابوشامہ مقدسی رحمہ اللہ سے بھی یہ توجیہ نقل فرمائی ہے جو امام نووی رحمہ اللہ کے استاذ اور حافظ ابن الصلاح رحمہ اللہ کے شاگرد ہے، اور پھر اس کی فی الجملہ تائید بھی فرمائی ہے، ملاحظہ فرمائیں: الزواجر عن اقتراف الکبائر، الکبیرة الثامنة والستون نسیان القرآن، ج1، ص199.

(۱۲) نیل الاوطار، کتاب اللباس، باب کنس المساجد وتطییبها وصیانتها من الروائح الکریهة، ج2، ص178.

(۱۳) چنانچہ مصری دارالافتاء کے ''فتاوی'' میں ہے:

لکن حمل بعض العلماء النسیان هنا علی ترك العمل لأن الإنسان بطبیعته معرض لنسیان ما یحفظ، سواء أکان من القرآن أم من غیره، ولأن التحذیر لو کان من مجرد نسیان ما یحفظ لقال الشخص: الأسلم ألا احفظ شیئا حتی لا أتعرض للعقاب إن نسیت، وهذا فیه صرف للناس عن القرآن. فتاوی دار الإفتاء المصریة، حکم نسیان القرآن، ج8، ص34.

(١٤) شرح سنن أبی داود، کتاب الوتر، باب التشدید فیمن حفظ القرآن ثم نسیه، ج7، ص200.

(١٥) الزواجر عن اقتراف الکبائر، بَابُ الْأَحْدَاثِ، الْکَبِیرَةُ الثَّامِنَةُ وَالسِّتُّونَ نِسْیَانُ الْقُرْآنِ، ج1، ص199.

* * *

اللہ تعالیٰ کی داد ودہش اور بندے کی بے رغبتی

از: مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی
استاد حدیث وادب، ادارہ کہف الایمان ٹرسٹ، حیدرآباد

اللہ تعالی کی عطا ونوازش، داد ودہش کا کوئی حساب وکتاب نہیں، وہ بندے کو بے حساب عطا کرتے ہیں، ایسی جگہ سے دیتے ہیں، جہاں سے اس کو رزق کے حصول اور ضروریات کی تکمیل کا وہم وگمان بھی نہیں ہوتا، اسی کو امجد حیدرآبادی نے کہا تھا۔

ہر چیز مسبّب سبب سے مانگو
منت سے لجاجت سے ادب سے مانگو
کیوں غیر کے آگے ہاتھ پھلاتے ہو
گر بندے ہو رب کے تو رب سے مانگو

اس لیے غیر کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائے، دست سوال دراز نہ کرے، مُسبِب اسباب سے مانگے، وہی اسباب کو بناتے ہیں، حالات کو درست کرتے ہیں، منت، سماجت اور لجاجت سے مانگے، خوب گڑگڑائے، اپنی پسماندگی، عاجزی وبیکسی کا اظہار کرے، وہ بے پناہ دیتا ہے، کوئی اپنی ضرورت کا اظہار تو کرے۔ اس نے اپنے خزانہ میں اپنے ہر بندے کے حساب سے بے شمار نعمتیں رکھ رکھی ہیں۔ اس کے بحر بیکراں کی کوئی نہایت نہیں، اس کا دیا سنبھالا نہیں جاسکتا، جب وہ دیتے تو اس قدر دیتے ہیں کہ بندے کو نہال کردیتے ہیں۔

آیات واحادیث کی روشنی میں

اللہ عزوجل کا ارشاد گرامی ہے: ”كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِندَهَا رِزْقًا

قَالَ يَا مَرْيَمُ أَنَّىٰ لَكِ هَٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِندِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ" (سورۃ آل عمران، آیت 37)

ترجمہ: ''جب کبھی زکریا علیہ السلام ان کے پاس عبادت گاہ میں داخل ہوتے تو ان کے پاس کچھ رزق موجود پاتے۔ وہ کہتے: اے مریم! یہ تمہارے پاس کہاں سے آیا؟ وہ کہتیں: یہ اللہ کی طرف سے ہے، بے شک اللہ جسے چاہے، بے حساب رزق عطا کرتا ہے۔''

جتنا آپ کا اللہ تعالیٰ پر یقین، توکل اور اعتماد ہوگا، اتنا ہی آپ کو رزق ملے گا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کو رزق عطا فرمایا؛ کیونکہ ان کا ایمان قوی، اللہ پر توکل کامل اور اعتماد عظیم تھا۔

اسی آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ" (سورۃ آل عمران، آیت 37) ترجمہ: ''بے شک اللہ جسے چاہے، بے حساب رزق عطا کرتا ہے۔''

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے:

''لَوْ أَنَّكُمْ تَوَكَّلْتُمْ عَلَى اللَّهِ حَقَّ تَوَكُّلِهِ، لَرُزِقْتُمْ كَمَا يُرْزَقُ الطَّيْرُ، تَغْدُو خِمَاصًا، وَتَرُوحُ بِطَانًا" (سنن الترمذی، حدیث: 2344، صحیح)

ترجمہ: ''اگر تم اللہ پر اسی طرح توکل کرو جیسے اس پر توکل کرنے کا حق ہے، تو وہ تمہیں اسی طرح رزق دے گا جیسے وہ پرندوں کو دیتا ہے؛ وہ صبح کو بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر لوٹتے ہیں۔''

بہت سے لوگوں کی مصیبت و پریشانی یہ ہے کہ وہ اسباب پر حد سے زیادہ بھروسہ کرتے ہیں، اور اللہ پر توکل سے غافل ہوجاتے ہیں، اللہ سے مانگتے نہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا اللَّهَ وَأَجْمِلُوا فِي الطَّلَبِ، فَإِنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوتَ حَتَّى تَسْتَوْفِيَ رِزْقَهَا وَإِنْ أَبْطَأَ عَنْهَا، فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَجْمِلُوا فِي الطَّلَبِ، خُذُوا مَا حَلَّ، وَدَعُوا مَا حَرُمَ" (سنن ابن ماجہ، حدیث: 2144، صحیح)

ترجمہ: ''اے لوگو! اللہ سے ڈرو اور رزق طلب کرنے میں خوبصورتی اختیار کرو؛ کیونکہ کوئی جان مرنے والی نہیں جب تک اپنا پورا رزق نہ پالے، اگرچہ وہ دیر سے ملے۔ پس اللہ سے ڈرو، رزق طلب کرنے میں حسنِ طریقہ اختیار کرو، حلال کو اختیار کرو اور حرام کو چھوڑ دو۔''

اور جتنا تم اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو گے اور اس کی اطاعت کرو گے، اتنی ہی برکت

تمہارے رزق میں ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ" (سورۃ الأعراف، آیت 96)

ترجمہ: ''اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان و زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔''

یہ ایک کائناتی سنت ہے، جو کبھی نہیں ٹلتی۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَأَلَّوِ اسْتَقَامُوا عَلَى الطَّرِيقَةِ لَأَسْقَيْنَاهُم مَّاءً غَدَقًا" (سورۃ الجن، آیت 16)

ترجمہ: ''اور اگر وہ سیدھی راہ پر قائم رہتے تو ہم انھیں خوب پانی سے سیراب کرتے۔''

اور حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

''لَا يَرُدُّ الْقَدَرَ إِلَّا الدُّعَاءُ، وَلَا يَزِيدُ فِي الْعُمُرِ إِلَّا الْبِرُّ، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيُحْرَمُ الرِّزْقَ بِالذَّنْبِ يُصِيبُهُ'' (سنن ابن ماجہ، حدیث: 90، حسن)

ترجمہ: ''تقدیر کو صرف دعا ٹال سکتی ہے اور نیکی ہی عمر میں اضافہ کرتی ہے، اور یقیناً بندہ بعض اوقات گناہ کی وجہ سے رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے۔''

دو دلچسپ واقعہ

یہاں پر دو خوبصورت اور دلچسپ واقعہ کا ذکر مناسب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کس طرح غیب سے اسباب بنا کر اپنے بے کس و مجبور بندوں کی ضروریات کی تکمیل کرتے ہیں، اس طرح ساری دنیا قدموں میں ڈال دیتے ہیں، جن کو قریب زمانے میں نے پڑھا، دل کی کیفیت بدل گئی، اللہ کی عطا و بخشش کی حقیقت بھی واشگاف ہوگئی۔

ایک دیہاتی شخص علم و تجارت کی غرض سے بغداد آیا اور ایک کمرہ کرائے پر لیا؛ تاکہ اس میں رہائش اختیار کرے۔ فجر کی نماز کے بعد کام کے لیے نکلتا اور ظہر کے بعد علم و معرفت کی مجلسوں میں شرکت کرتا۔ وہ نوجوان اپنی مزدوری کو تین حصوں میں تقسیم کرتا: ایک حصہ اپنے والد کے لیے، دوسرا کمرے کے کرائے کے لیے، اور تیسرا اپنی ضروریات کے لیے۔

تین مہینے گزر گئے اور وہ کرایہ ادا نہ کر سکا، تب کمرے کے مالک نے کہا: ''تین دن کے اندر کرایہ دو، ورنہ میں تمہیں قید کرادوں گا، اس لیے کہ میں نے یہ گھر فقیروں کے لیے وقف نہیں کیا۔''

پہلے دن کام کی تلاش میں نکلا؛ مگر کچھ نہ ملا۔ دوسرے دن دیوانِ خراج گیا، وہاں بھی کوئی کام نہ ملا۔ یہاں تک کہ تیسرا دن آ گیا، یعنی قید ہونے کا دن۔ وہ بوجھل قدموں سے نکل پڑا؛ یہاں تک کہ بغداد کے قریب ایک پرانے ٹوٹے پھوٹے گھر تک جا پہنچا۔

سوچنے لگا کہ تھوڑا آرام کر لے، جیسے ہی ہاتھ دروازے پر رکھا، وہ کھل گیا۔ اندر ایک بوڑھا شخص بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ اس نے آواز دی: ''بیٹا! سنو، واللہ تمہیں اللہ نے ہی میری طرف بھیجا ہے۔ میں مرنے والا ہوں اور مجھے انگور کھانے کی خواہش ہے۔''

میں نے کہا: ''خوشخبری ہو، اللہ کی قسم، آج تم انگور ضرور کھاؤ گے۔'' دوڑتا ہوا بازار پہنچا اور ایک انگور فروش سے قیمت پوچھی: ''کتنے کا ہے؟'' کہا: ''ایک درہم کا۔'' میں نے کہا: ''یہ میرا کپڑا رکھ لو، میں تمہیں بعد میں رقم لا دوں گا۔''

اور انگور لے کر دوڑتا ہوا واپس آیا؛ تاکہ بوڑھے شخص کو زندگی کی آخری خواہش پوری کرواسکوں؛ حالانکہ مجھے خود بھی اس کی ضرورت تھی۔

اس نے انگور کھائے اور پھر کہا: ''بیٹا! اس کمرے کے کونے میں کھدائی کرو، وہاں کچھ ہے۔'' میں نے کھدائی شروع کی تو ایک مٹکا نکلا جو سونے اور مال سے بھرا ہوا تھا۔ میں نے وہ اسے پیش کیا، لیکن اس نے وہ سارا مال میرے کپڑوں میں ڈال دیا اور کہا: ''یہ سب تمہارا ہے؛ لیکن سنو! اس مال کی ایک کہانی ہے۔

میں اور میرا بھائی بڑے تاجر تھے۔ ہم ہندوستان وسندھ میں ریشم اور اون کی تجارت کرتے۔ چوروں اور ڈاکوؤں سے ڈرتے تھے۔ ایک دن ہم ایک جگہ اترے، میں نے بھائی سے کہا: یہ جگہ خطرناک لگتی ہے، اپنا مال مجھے دے دو، میں اسے محفوظ جگہ رکھ آتا ہوں۔ وہ مان گیا۔ رات کو ڈاکو آئے، بہت سوں کو قتل کیا، باقیوں کو لوٹ لیا۔ صبح سورج کی گرمی سے آنکھ کھلی، بھائی کو تلاش کیا؛ مگر وہ نہ زندہ ملا، نہ مردہ۔ بغداد آ گیا، یہ گھر بنایا اور بھائی کا مال یہاں چھپا دیا۔ یہ مال پچھلے بیس سال سے یہاں رکھا ہے۔ اگر میں مر جاؤں تو یہ تمہارے لیے حلال ہے۔'' پھر اس نے کلمہ پڑھا اور وفات پا گیا۔'' میں نے اسے دفن کروایا اور واپس آ کر مٹکے سے مال لے لیا۔ پہلے میں ایک محتاج ومفلس تھا، اب بغداد کے امیر لوگوں میں شامل ہو گیا، یقیناً جو اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں اللہ انھیں بے حساب رزق

عطا کرتے ہیں۔

من یتق اللّٰہ یجعل لہ مخرجا و رزقہ من حیث لا یحتسب.

اس حوالے سے ایک اور واقعہ ذکر کرتا چلوں کہ عرب ممالک میں ایک مالدار شخص تھا، رات میں بے کل و بے چین ہو گیا، اس کی نیند اڑ گئی، اسی بے چینی و بے قراری کی حالت میں وہ گھر سے باہر ٹہلنے کے لیے نکل گیا، ٹہلتے ہوئے جا رہا تھا کہ مسجد پر نظر پڑی، سوچا دو رکعت نماز ادا کر لیتا ہوں، مسجد میں پہنچا تو دیکھا کہ ایک شخص مسجد میں گریہ وزاری، آہ و بکا کے ساتھ مصروف دعا ہے، اس شخص کو اس کے اس بیچارگی و بے بسی کے اظہار، اللہ سے طلب اور تڑپ کو دیکھ کر بڑا رحم آیا، دعا سے اس کی فراغت کا انتظار کرتا رہا، پھر اس کے قریب جا کر اس کے احوال معلوم کیے، اس کے تضرع و گریہ وزاری کے حوالے سے دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ میرے قرض داروں نے مجھے بہت تنگ کیا ہے، مجھ سے ادائیگی نہیں ہو پا رہی، دریافت کرنے پر بتلایا کہ چار ہزار سعودی ریال قرض ہے، اس مالدار شخص نے یہ رقم اس کو اپنے پاس سے نکال کر دی اور اس سے کہا کہ جب بھی کوئی ضرورت درپیش ہو یہ میری پرچی میرے پاس لے کر آ جاؤ، میں ساری ضروریات کی تکمیل کر دوں گا، اس غریب نے اس کو پہلے تو دعائیں دی، پھر اس سے مزید کچھ لینے سے معذرت کرتے ہوئے کہا مزید کسی چیز کی ضرورت ہوگی تو اسی طرح رب کی بارگاہ میں آ جاؤں گا، وہ ساری ضرورت پوری کر دے گا۔

دیکھیے! جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے تو اللہ تعالی اس کی ضروریات کو ایسی جگہوں سے پوری فرما دیتے ہیں، جہاں سے اس کو اپنی ضروریات کی تکمیل کا وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔

* * *

استاذ کا مقام

تحریر: حضرت مولانا غلام اکبر لاشاری
فاضل جامعہ اشرفیہ لاہور

سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: اِنّما بُعِثتُ مُعَلِّمًا۔ ترجمہ: مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے (ابن ماجہ) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰہَ لَم یَبْعَثنِی مُعَنِّتًا وَلا مُتَعَنِّتًا ولکن بَعثَنِی مُعَلِّما مُیَسِّرًا. (صحیح مسلم کتاب الطلاق)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تکلیف ومشقت میں ڈالنے والا اور پریشان کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا؛ بلکہ تعلیم دینے والا اور آسانیاں پیدا کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ مذکورہ بالا دونوں احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود فرمارہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے منصبِ نبوت کے ساتھ ساتھ منصبِ معلم بھی عطا فرمایا ہے۔ اس سے منصبِ معلم کی عظمت کا پتہ چلتا ہے کہ معلم ہونا کتنا بلند منصب ہے جو خالق کائنات نے اپنے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پہ سجایا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف مسلمانوں کے لیے معلم نہیں ہیں؛ بلکہ آپ معلمِ انسانیت ہیں۔ جس طرح آپ ﷺ کی نبوت صرف مسلمانوں کے لیے نہیں؛ بلکہ تمام انسانیت کے لیے ہے آپ کے حکیمانہ ارشادات وفرامین اور تعلیم ساری انسانیت کے لیے ہے گویا آپ معلمِ انسانیت ہیں آپ کے معلم بنائے جانے کی وجہ سے اس منصب کو اللہ نے چار چاند لگا دیئے۔ تعلیم و تعلّم کی اہمیت اور معلم کا مقام ومرتبہ ابتدائی وحی سے ہی معلوم ہوجاتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے علم کی قدر ومنزلت کو اجاگر کرنے کے لیے لفظ "اِقْرَاء" پڑھیے سے آغاز کیا۔ تعلیم وتدریس بذات خود معزز منصب ہے جو اس کے ساتھ منسلک ہوجائے گا وہ بھی معزز کہلائے گا۔ استاد معاشرے میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے اگر استاد کو معاشرے سے نکال دیا جائے تو جہالت کو جو عروج ملے گا اسے معاشرے کی تباہی اور زوال سے کوئی نہیں روک سکتا۔

استاد چاہے ایک حرف کا ہی کیوں نہ ہو استاد استاد ہوتا ہے، استاد وہ قابل احترام ہستی ہے جس نے آپ کو پستی سے اٹھا کر بامِ عروج تک پہنچایا۔ جو قومیں استاد کا ادب واحترام کرنا چھوڑ دیتی ہے، وہ کبھی ترقی یافتہ نہیں بن سکتی۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی بندہ کو قران مجید کی ایک آیت سکھائی، وہ اس کا آقا ہے تو اس بندے کے لیے مناسب نہیں کہ یہ اس کو رسوا کرے اور نہ اس پر کسی کو ترجیح دے۔ (المعجم الکبیر للطبرانی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما آپ کے چچازاد ہیں ان کے بارے آتا ہے کہ وہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سواری کی رکاب تھام لیتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمیں اہل علم کے ساتھ اسی سلوک کا حکم دیا گیا ہے (البدایہ والنہایہ)۔

دین تو سراسر ادب کا نام ہے، جہاں دین اسلام، والدین اور بڑوں کے ادب واحترام کا حکم دیتا ہے اور تلقین کرتا ہے؛ وہاں استاد کے مقام ومرتبہ کا پاس رکھنا انتہائی ضروری قرار دیتا ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ اس انسان سے علم کا نور چھین لیتے ہیں؛ بلکہ اس کو کسی ایسی چیز میں مبتلا کر دیتے ہیں جس سے آگے لوگوں کو اس کے علم سے فائدہ نہیں پہنچتا۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس زانوئے تلمذ تہہ کرتے تھے، آپ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت ابن عباسؓ مجھے حدیثیں سناتے تھے اگر اجازت دیتے کہ اٹھ کر پیشانی چوم لوں تو ضرور چوم لیتا۔ (صحابہؓ اور شوق علم)۔

حضرت ابن عباسؓ کی نگاہ میں استاد کا مقام

حضرت ابن عباسؓ حضرت ابی ابن کعبؓ کے پاس قران کریم سیکھنے جایا کرتے تھے؛ چنانچہ آپ ان کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے؛ مگر دستک نہ دیتے تھے حضرت ابی ابن کعبؓ کو یہ بات بڑی گراں معلوم ہوئی کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد میرے دروازے پر اس طرح تکلیف اٹھائیں تو حضرت ابی ابن کعبؓ نے حضرت ابن عباسؓ سے فرمایا کہ آپ نے دروازہ کیوں نہ کھٹکھٹایا؟ تو حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا کہ عالم شخص اپنی قوم میں ایسا ہوتا ہے، جیسے نبی اپنی امت میں اور نبی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ" (سورۃ الحجرات)۔

اگر یہ لوگ ذرا صبر سے کام لیتے یہاں تک کہ آپ خود ان کے پاس تشریف لے آتے تو یہ ان کے لیے بہتر ہوتا اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت کرنے والا ہے نہایت مہربان ہے۔ (علمائے سلف کا شوق علم)

یہ بات مسلم ہے کہ جس نے اساتذہ کا ادب واحترام کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اسے خوب نوازا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے علمی مقام سے کون ناواقف ہے آپ کو اللہ تعالیٰ نے تفسیر قران سے حظ وافر عطا فرمایا تھا؛ اس لیے حضرت عمرؓ کو آپ پر سب سے زیادہ اعتماد تھا بڑے بڑے اصحاب رسول ﷺ کی موجودگی میں بھی آپ مرجع خلائق تھے، آپ کا درس سب سے یکتا اور منفرد ہوتا۔

حضرت علیؓ کا قول

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ استاد کی تعظیم کے متعلق فرمایا کرتے تھے: اَنَا عَبدٌ مَن عَلَّمَنِی حَرفًا وَاحِدًا اِن شَاءَ بَاعَ، وَ اِن شَاء اَعتَقَ، وِاِن شَاء اِستَرَقَ.

ترجمہ: میں اس شخص کا غلام ہوں جس نے مجھے ایک حرف پڑھایا؛ اگر وہ چاہے تو مجھے بیچ دے اگر چاہے تو آزاد کردے اور اگر چاہے تو غلام بنالے (باادب بانصیب)

ہمارے اسلاف کا اپنے اساتذۂ کرام کا ادب مثالی اور غیر معمولی تھا، اساتذہ کے ادب کا عالم یہ تھا کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ادب کی وجہ سے اپنے استاد کا نام نہیں لیتے؛ بلکہ ان کا ذکر ان کی کنیت کے ساتھ کرتے تھے۔ اسی طرح امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا آپ کے دل میں کوئی خواہش ہے؟ فرمایا: میرا جی چاہتا ہے کہ میرے استاد علی بن مدینیؒ ہوتے اور میں جا کر ان کی صحبت اختیار کرتا۔ امام ربیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مجھے اپنے استاد امام شافعیؒ کے سامنے کبھی پانی پینے کی جرات نہ ہوئی۔ اور امام شافعیؒ اپنے استاد کے ادب کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ میں ادب کی وجہ سے ورق گردانی آہستہ کرتا تھا کہ میرے استاد کو اس کی آواز سے کوفت نہ ہو۔ امام احمد بن حنبلؒ کے بارے آتا ہے کہ ایک مرتبہ امام احمد بن حنبلؒ کسی وجہ سے ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے گفتگو کے دوران ان کے استاد ابراہیم بن طہمان کا ذکر آیا ان کا نام سنتے ہی امام صاحب فوراً سیدھے ہوکر بیٹھ گئے اور فرمایا: یہ نازیبا بات ہوگی کہ بڑوں کا نام لیا جائے اور ہم ٹیک لگا کر بیٹھے رہیں۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے استاد کے متعلق فرماتے ہیں میں اپنے استاد حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ کے لیے اپنے والدین سے پہلے دعائے رحمت کرتا ہوں، امام یحییٰ بن سعید قطان کے بارے میں ''احیائے علوم الدین'' میں لکھا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میرا 40 سال سے یہ معمول ہے کہ ہر نماز کے بعد امام شافعیؒ کے لیے دعا کرتا ہوں، اس کی بدولت اللہ تعالیٰ نے مجھ پر علم اور فقہ کے دروازے کھولے ہیں، اساتذہ کی دعا اور ان کے لیے دعا کرنا بلندی درجات علم کا باعث ہے۔ جتنے

بڑے آئمہ، فقہاء، محدثین اور علماء ومشائخ گزرے ہیں یہ سب اپنے اساتذۂ کرام کا ادب واحترام بجالانے کی بدولت اس مقام تک پہنچے۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے بارے آتا ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی بھی اپنے استاد محترم کے گھر کی طرف پاؤں نہیں پھیلایا، اگرچہ میرے اور ان کے گھر کے درمیان کئی گلیوں کا فاصلہ ہے۔ (تذکرہ سلاطین علم)

اساتذہ کے حقوق

اساتذۂ کرام کے ادب واحترام کے متعدد حقوق ہیں، اس پر مستقل کتابیں موجود ہیں، ایک کتاب میں اساتذہ کے 81 حقوق درج کیے گئے۔ ان سب کا خلاصہ یہی ہے کہ استاد کا ہر اعتبار سے اور ہر وقت ادب ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے، ان کے آگے نہ چلے، ان سے بلند آواز میں گفتگو سے اجتناب کریں، ان کی گفتگو انتہائی توجہ اور انہماک سے سنیں۔ ان کے بارے کبھی بدگمان نہ ہوں، ان کی خدمت کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے اور کبھی استاد کی شان میں گستاخی ہوجائے تو فوراً ان سے عاجزی کے ساتھ معافی مانگنی چاہیے۔ استاد سے ربط میں رہیں۔ جس قدر ممکن ہو ان سے دعائیں سمیٹیں۔

استاد کے ادب کی نادر مثال

خلیفہ مامون نے اپنے دونوں صاحبزادوں کے لیے امام فراء کو ان کا اتالیق مقرر کیا، ایک دن امام فراءؒ اپنے کسی کام کے لیے اٹھنے لگے تو دونوں شہزادے امام فراء رحمۃ اللہ علیہ کی جوتی اٹھا کر پیش کرنے کے لیے دوڑے اور آپس میں الجھ گئے پھر اس پر صلح کی کہ ہر ایک، ایک جوتی لے؛ چنانچہ دونوں نے اپنے استاد کو اس طرح سے جوتے پہنائے کہ ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایک جوتا تھا۔ مامون کا ایک خادم خاص تھا جو ہر چیز کی اطلاع ان کو پہنچایا کرتا تھا، اس نے یہ بات بھی ان کو پہنچادی تو اس نے امام فراءؒ کو بلایا جب امام فراء تشریف لائے تو مامون نے ان سے پوچھا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ عزت کس کی ہے؟ فرمایا کہ میں امیر المومنین سے زیادہ کسی کو عزت والا نہیں جانتا، مامون نے کہا: بلٰی مَن اِذَا نَهَضَ تقاتل علٰی تَقدِیم نَعلیه ولیَّا عَهد المسلمین حتّٰی رَضی کل واحد یقدم له فردًا. (تاریخ بغداد)

ترجمہ: کیوں نہیں بھلا وہ شخص زیادہ عزت والا ہے کہ جب اٹھتا ہے تو اس کے لیے مسلمانوں کے دو ولیِ عہد جوتے پیش کرنے کے لیے لڑتے ہیں حتی کہ ہر ایک اس بات پر راضی ہوجاتا ہے کہ ایک ایک جوتا پیش کرے۔

خلیفہ مامون چونکہ ہارون رشید جیسے علم کے قدر دان کے صاحبزادے ہیں، اس میں ان کی تربیت کا عنصر شامل تھا جس کا ہارون رشید نے خاص اہتمام کیا تھا۔

شہزادے کا استاد کے پاؤں دھلانا

خلیفہ ہارون الرشید نے اپنے صاحبزادے کو امام اصمعیؒ کے پاس علم حاصل کرنے کے لیے بھیجا۔ ایک مرتبہ ہارون الرشید گئے تو دیکھا کہ شہزادہ ان کو وضو کرا رہا ہے، وہ پانی ڈالتا ہے اور حضرت امام اصمعیؒ اپنے اعضاء دھو رہے ہیں، ہارون رشید نے امام اصمعیؒ سے کہا کہ میں نے آپ کے پاس صاحبزادے کو علم وادب کے لیے بھیجا تھا اور آپ کیسے ادب سکھا رہے ہیں؟ آپ اسے اس طرح حکم دیتے کہ ایک ہاتھ سے پانی ڈالتا اور دوسرے ہاتھ سے آپ کے پاؤں دھوتا۔ (تعلیم المتعلم فصل فی تعظیم العلم واھلہ)۔

شیخ الہند کا اپنے استاد کی اہلیہ کا ادب

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا کہ حضرت شیخ الہندؒ جب اس سفر پر جانے لگے جس میں آپ کو مالٹا میں قید کر دیا گیا تو ہمارے گھر تشریف لائے، اس وقت دادی صاحبہ (اہلیہ حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ) حیات تھیں، دہلیز کے پاس پردہ کے پیچھے پیڑھا ڈال دیا گیا، اس پر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ اماں جی! مجھے اپنی جوتیاں دے دیجیے! اندر سے جوتیاں دے دی گئیں تو ان کو اپنے سر پر رکھ کر دیر تک روتے رہے اور فرمایا کہ میں اپنے استاد حضرت مولانا قاسم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت کا حق ادا نہ کر سکا، اس کا مجھے افسوس ہے۔ (تحفۃ الطلباء علماء)

سلف صالحین اور اکابرین کے دور میں اساتذۂ کرام کے ادب واحترام کا خصوصی لحاظ رکھا جاتا حتیٰ کہ ان کے اہل وعیال اور ان کے ہمعصر رفقاء کا بھی ادب ضروری مانا جاتا تھا، علامہ زرنوجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صاحبِ ہدایہ نے ائمہ بخاریؒ میں سے ایک بڑے عالم کا یہ واقعہ بیان کیا کہ ایک دن ایسا ہوا کہ یہ عالم درس میں بیٹھے ہوئے تھے اور بار بار کھڑے ہو جاتے تھے، دریافت کرنے پر فرمایا کہ میرا استاد زادہ بچوں کے ساتھ کھیل رہا ہے، جب کھیلتے ہوئے مسجد کی طرف آتا ہے تو میں اس کی تعظیم میں کھڑا ہو جاتا ہوں (تعلیم المتعلم)۔

علم صرف پڑھ لینے اور علماء کی مجلس میں بیٹھ کر چند فنون کی کتابوں پر عبور حاصل کر لینے کا نام نہیں بلکہ کمال درحقیقت ادب اور تعظیم کی بدولت ممکن ہے، اساتذہ کی خدمت کو سعادت سمجھنا چاہیے! اس میں علمی پختگی، ترقی، بلندی اور قبولیت پنہاں ہے۔ حضرت مرزا جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے

بارے میں آتا ہے کہ آپ اپنے استاد کی مستعمل ٹوپی جو 15 سال تک استاد کے عمامہ کے نیچے رہی، اس کو پانی میں بھگو کر اس کا پانی پی لیا۔ کچھ ایسا ہی میرے استاد حضرت علامہ علی شیر حیدری شہید کے بارے میں ہے کہ آپ اپنے استاد کے پاؤں دھلا رہے تھے، ان کا مستعمل پانی اپنے پانی پینے والے مٹکے میں ڈال دیا اور پھر اس سے پانی پیتے تھے۔ استاد کی عظمت کا تعلق صرف دل سے نہیں؛ بلکہ وہ تو اعمال سے بھی جھلکتی ہے جس قدر استاد کا احترام دل میں ہوگا اسی قدر وہ اعمال میں نمایاں ہوگا۔ استاد کے بارے ذرا سی بدگمانی تمام تر محنت، مشقت، حافظہ واستطاعت کو بھسم کر دیتی ہے۔ عصر حاضر میں طلبہ کو اس بارے میں توجہ دلانے کی بہت ضرورت ہے، کالج یونیورسٹی کا ماحول تو بالکل الگ تھلگ ہے؛ مگر ہمارے مدارس میں بھی اب اس قدر جدت اور مغربیت شامل ہو چکی ہے کہ اساتذۂ کرام کی تعظیم اور احترام کا جو تصور قرون اولیٰ میں تھا۔ اب وہ ناپید ہوتا جا رہا ہے؛ اس لیے ضروری ہے کہ ان کے سامنے ایسے واقعات پیش کیے جائیں جن سے ان میں علم کے ساتھ ساتھ ادب اور اصلاح بھی شامل ہو اللہ جلّ جلالہٗ ہمیں علم، اسباب علم اور اساتذۂ کرام کی قدر و منزلت کی معرفت سے نوازیں! آمین

* * *

عورت فتنوں کی زد میں

از: جناب سلیم شاکر، چنئی

نبی کریم ﷺ کی بعثت سے پہلے عرب میں عورتوں کی حالت بہت ہی زیادہ خستہ تھی۔عورتوں کو ناپاک سمجھا جاتا تھا اور اس کو ہر معاملے سے دور رکھا جاتا تھا۔شوہر کو اتنا حق تھا کہ وہ بیوی کی چھوٹی سی غلطی پر اسے قتل کرے۔ایک ایک مرد اپنے پاس لاتعداد عورتیں جمع کر لیتا تھا اور مرنے کے بعد یہ تمام عورتیں مال و جائیداد کی طرح ترکے کے طور پر اس کی اولاد میں تقسیم ہو جاتی تھیں۔عورت کا نہ تو ماں باپ کی وراثت میں کوئی حق تھا اور نہ شوہر کے مال واسباب میں۔پوری دنیا میں بیٹیوں کا پیدا ہونا نحوست وادبار کی علامات میں شمار کیا جاتا تھا۔اگر کوئی عورت صرف لڑکیاں پیدا کرے تو اس سے رشتۂ ازدواج ختم کر دیا جاتا تھا۔جب کوئی عورت بیوہ ہو جاتی تو اس پر خاندان کے بزرگ حاوی ہو جاتے تھے۔ہندو دھرم کی رو سے عورت کی حیثیت پاؤں کی جوتی کی سی ہے؛اگر اچھی لگی تو پہن لی ورنہ نکال کر پھینک دیا۔

آج کے دور میں عورت کی حالت

یوں لگتا ہے کہ آج بھی عورت اسی مقام پر کھڑی ہے جہاں وہ زمانۂ جاہلیت میں کھڑی تھی؛ بلکہ اس سے زیادہ موجودہ دور میں اس کو مزید رسوا اور ذلیل کیا جارہا ہے۔ایک لڑکی کو ماں باپ کے گھر میں شادی تک لاڈ پیار ملتا ہے؛مگر سسرال جاتے ہی اس کو حد سے زیادہ رسوائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کہیں بیٹیاں پیدا کرنے پر اور کہیں جہیز کی کمی پر شوہر، ساس یا نند کے عتاب کا نشانہ بنتی ہے،جہیز کی لعنت سے تو مسلم معاشرہ پاک ہے؛لیکن غیر مسلموں کی تقلید میں ہمارے کچھ لوگ یہ رسم پوری کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔،کہیں تعلیم کے زیور سے آراستہ ہونے پر یا اپنی خوش اخلاقی پر ساری فیملی کے اخراجات اور ذمہ داریوں کا بوجھ عورت کے کندھوں پر لاد دیا گیا ہے جس سے اس کا سکون زندگی بھر کے لیے ختم ہو جاتا ہے۔

ہندوستانی مرکزی وزیر داخلہ کی رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ ایک دہائی کے دوران ملک میں خواتین پر ظلم وزیادتی کے واقعات بڑھ کر ڈھائی گنا ہوگئے ہیں، اوسطًا ہر چھ منٹ میں کوئی نہ کوئی عورت کسی نہ کسی جرم میں لپیٹ دی جاتی ہے، ہر ۴۷ ویں منٹ پر عورت جنسی زیادتی کا شکار ہوجاتی ہے۔ نیشنل کرائم ریکارڈ بیورو (این سی آر پی) کی رپورٹ بتاتی ہے کہ ملک کی ہر پانچ خواتین میں سے ایک کو جسمانی یا جنسی استحصال کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ہر تیسری عورت کو اپنے خاوند یا سسرال کی سختی سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اوسطًا یومیہ ۱۷ خواتین کو کسی نہ کسی بہانے پر موت کے منہ میں دھکیل دیا جاتا ہے، اس طرح ایک سال میں ۹۰ ہزار خواتین مردوں کے ہاتھ ظلم کا شکار بنتی ہیں۔ یہ تمام جرائم ملک کے سخت قوانین کے باوجود بھی خفیہ طور پر انجام دئے جارہے ہیں۔ عورتوں پر جرائم کے الزام میں شوہر کے ساتھ شوہر کے باپ اور بھائی بھی اکثر ملوث ہوتے ہیں۔ ہندوستان میں کئی جگہ عورتوں اور لڑکیوں کے اغوا کیے جانے کی خبریں ملتی ہیں؛ مگر ان کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔

عورتوں اور لڑکیوں کا زندہ درگور کرنا

ہندوؤں کے قدیم عقائد کے مطابق شوہر کے مرنے کے بعد بیوی کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں؛ اس لیے کوئی عورت کا شوہر مرجاتا تو بیوی کو بھی اس کی لاش پر بٹھا کر زندہ جلا دیا جاتا۔ اس کو ''ستی'' کی رسم کہتے ہیں۔ اس رواج پر اب پابندی تو لگادی گئی؛ مگر کچھ جگہوں پر یہ رواج ابھی بھی باقی ہے۔ جنگوں، دہشت گردی اور دنگا فساد میں خواتین ان درندوں کی جنسی خواہشات کا نشانہ بن جاتی ہیں۔ دور جاہلیت میں مشرکین عرب بعض اوقات اپنی لڑکیوں کو؛ اس لیے زندہ درگور کردیتے تھے کہ اپنے گھر میں لڑکی کے وجود کو وہ باعث شرم محسوس کرتے تھے۔ جس کے گھر میں لڑکی پیدا ہوتی تو وہ خود کو بدنصیب سمجھتا تھا۔ سورۃ النحل کی آیات ۵۸ اور ۵۹ میں اس گھناؤنے عمل کی سخت وعید کی گئی ہے:

وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيمٌ ☆ يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِن سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ☆ (اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی خوشخبری سنائی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑجاتا ہے اور وہ گھٹا گھٹا رہتا ہے۔ وہ اس منحوس خبر پر لوگوں سے چھپا چھپا پھرتا ہے۔ سوچتا ہے کہ اس کو ذلت کے ساتھ رکھ چھوڑے یا اس کو مٹی میں دفن کردے)۔

بعض کا عقیدہ یہ تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں؛ اس لیے انسان کے لیے مناسب نہیں کہ وہ لڑکیاں رکھیں، سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۳۱ میں اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: وَلَاتَقْتُلُوا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْأً كَبِيرًا (اور تم اپنی اولاد کو ناداری کے اندیشہ سے قتل

نہ کرو۔ ہم ہی ان کو بھی رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی۔ بے شک ان کا قتل بہت بڑا جرم ہے)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا: جس کی لڑکی ہو اور وہ اسے زندہ درگور نہ کرے اور اس کی توہین نہ کرے اور اپنے بیٹوں کو اس پر ترجیح نہ دے تو اللہ تعالی اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔ (ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی فضل من عال یتیمًا ۴،۴۳۵ الحدیث ۵۱۴۶)

اسلام میں عورت کے حقوق

نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے بعد اسلام نے عورت کو ایک اونچا مقام عطا فرمایا۔ عورت بحیثیت بیوی، ماں، بہن اور بیٹی ایک عظمت کی حقدار ہوئی اور ساتھ ہی ساتھ جائیداد میں بھی وراثت کی حقدار بنی۔ نبی اکرم ﷺ کے دور میں اسلام کی بدولت خواتین نے دین کی خدمات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور تمام ملت اسلامیہ کے لیے بہترین نمونہ بنیں۔

سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۲۸ میں ارشاد فرمایا گیا ہے: وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيهِنَّ بِالمَعْرُوْفِ وَلِلرِجَالِ عَلَيهِنَّ دَرَجَةٌ (اور عورتوں کا بھی حق ہے جیسا کہ مردوں کا ان پر حق ہے دستور کے موافق اور مردوں کو ان پر فضیلت ہے)۔ مطلب یہ کہ اسلام میں مردوں اور عورتوں کو مساوی اختیارات دئے گئے ہیں سوائے اس کے کہ مردوں کو ان پر ایک درجہ فوقیت ہے؛ تاکہ عورت کے نان ونفقہ کی ذمہ داری مردوں پر عائد ہے۔ عورت محض ایک فرمان ہستی نہیں؛ بلکہ وہ مساوی حقوق اور احترام کی حقدار ہے۔

سورۃ النساء کی آیت ۷ میں مزید فرمایا گیا ہے: لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الوٰلِدٰنِ وَالاَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّاتَرَكَ الوٰلِدٰنِ وَالاَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْكَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا (والدین اور اقربا کے ترکے میں سے مردوں کے لیے بھی ایک حصہ ہے اور والدین اور اقربا کے ترکے میں سے عورتوں کا بھی ایک حصہ ہے خواہ ترکہ کم ہو یا زیادہ، ایک مقررہ حصہ)

رسول پاک ﷺ نے واضح طور پر فرمایا: ماں کی حیثیت سے عورت کے قدموں کے نیچے جنت ہے۔ تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو عورتوں کے حق میں بہتر ہے۔ دنیا کی اعلیٰ ترین نعمت ایک نیک بیوی ہے۔ جس کے یہاں لڑکی پیدا ہوتی ہے، فرشتے آکر اسے سلام کہتے ہیں اور لڑکی کو اپنے پروں کے سائے میں لے لیتے ہیں۔ رسول ﷺ اللہ نے عورت کو طلاق لینے کا حقدار بنایا جس کی وہ مستحق نہیں تھی۔ آپ ﷺ نے عورتوں کو آرائش و زیبائش کی تعلیم بھی دی اور بچوں کی تعلیم و تربیت کا محافظ بنایا۔

حیااور بے پردگی

حیا عورت پر اس کے رب کا ایک انعام ہے۔اللہ تعالی نے حیا کو عورت کی فطرت میں ایسا گوندھ دیا ہے کہ جو اس سے منہ موڑے گا وہ ہر طرح کے برے نتائج کا ذمہ دار خود ہی ہوگا۔حجاب، درحقیقت حیا کے مقدس و پاک جذبے کی حفاظت کا ایک حسین بند ہے۔جو خواتین کا وقار، تشخص، پہچان ہی نہیں، ان کے سروں کا تاج بھی ہے۔یہی ڈیڑھ دو گز کا کپڑا، جہاں انھیں دوسروں کی آلودہ نظروں سے بچاتا ہے۔وہیں بحیثیت مسلمان دنیا کی نظروں میں ان کا تشخص اجاگر کرتا ہے کہ یہ چھوٹا کپڑا جب سر پر لیا جاتا ہے تو دوسروں کی نظروں میں خود بخود ہی ان کے لیے احترام، عزت اور عظمت کے جذبات ابھر آتے ہیں۔یہی تو ہے جو مسلمان خواتین کی پاکیزگی کی گواہی دیتے ہیں۔بے شک حجاب بتاتا ہے کہ اللہ تعالی کی نگاہوں میں ایک مسلمان عورت کتنی قیمتی اور اہم ہے۔

سورۃ الاحزاب کی آیت ۳۳ میں عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ گھر پر رہا کریں اور بلاضرورت گھر سے باہر نہ نکلیں: وَقَرْنَ فِی بُیُوتِکُنَّ وَلَاتَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الجَاهِلِيَّةِ الاُولٰی (اور اپنے گھروں میں ٹک کے رہو اور سابقہ جاہلیت کے سے انداز اختیار نہ کرو)

سورۃ الاحزاب کی آیت ۵۹ میں پردہ کا حکم ہوا ہے: یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِینَ یُدْنِینَ عَلَیهِنَّ مِنْ جَلَابِیبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰٓی اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَایُؤْذَینَ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُورًا رَّحِیمًا (اے نبیؐ! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمان کی عورتوں کو ہدایت کردو کہ وہ اپنے اوپر جلباب یعنی اپنی بڑی چادروں کے گھونگٹ لٹکا لیا کریں۔یہ بات اس کے قرین ہے کہ ان کا امتیاز ہوجائے، پس ان کو کوئی ایذا نہ پہنچائی جائے۔اور اللہ غفور رحیم ہے)

حدیث مبارکہ میں ہے کہ عورت چھپی ہوئی چیز ہے۔جب باہر نکلتی ہے تو اسے شیطان تکنے لگتا ہے؛ لہٰذا عورت کے لیے اسی میں خیر ہے کہ وہ پردے میں رہے (ترمذی)

رسول ﷺ اللہ کا ارشاد ہے: بلاشبہ حیا اور ایمان دونوں ساتھی ہیں۔پس دونوں میں سے کوئی ایک اٹھایا جاتا ہے تو دوسرا بھی اٹھالیا جاتا ہے (مشکوٰۃ)۔حیا ہمارے لیے بہت سی برائیوں سے روکنے کا سبب بنتی ہے؛ لیکن اگر دھیرے دھیرے بے حیائی کی جرأت بڑھتی رہتی ہے تو انسان پکا بے حیا بن جاتا ہے اور غلط اور صحیح کی تمیز کھو بیٹھتا ہے۔یہ جاہلیت کا طریقہ تھا کہ عورت بناؤ سنگھار کرکے دوسروں کو دکھانے کے لیے باہر نکلتی تھیں۔آج بھی وہی جاہلیت کا طریقہ اختیار کرکے عورتیں سج دھج کر بازاروں میں گھومتی رہتی ہیں اور غیر مردوں کی توجہ اپنی طرف کرنے میں لذت محسوس کرتی ہیں، نعوذ باللہ!

نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ جو عورت خوشبو لگا کر لوگوں کے درمیان سے گزرتی ہے وہ آوارہ قسم کی عورت ہے (ترمذی)۔ تم میں سے جب کوئی عورت مسجد میں جائے تو خوشبو نہ لگائے (موطا و مسلم)۔ عورتوں کے لیے وہ عطر مناسب ہے جس کا رنگ نمایاں اور خوشبو مخفی ہو (ابوداؤد)

خواتین کا پردہ اور نگاہوں کی حفاظت

قرآن مجید نے مردوں اور عورتوں کو مشترکہ حکم : یَحْفَظُوا فُرُوجَھُمْ اور یَحْفَظْنَ فُرُوجَھُنَّ کے الفاظ میں دیا ہے۔ اور بار بار قرآن مجید کے بہت سے مقامات اور احادیث میں بکثرت یہ حکم وارد ہوا ہے۔ یہ سب کو معلوم ہے کہ شرم گاہ کی حفاظت چہرہ کے پردہ سے ہی ہوتی ہے اور عصمت دری کی ابتداء چہرے کی بے پردگی سے ہو کر زنا کی حد تک جا پہنچتی ہے۔

بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ جب نبی ﷺ نے عورتوں کو عیدگاہ جانے کا حکم دیا تو بعض صحابیات نے عرض کیا کہ ہم میں سے بعض کے پاس جلباب (بڑی چادر جو سارے جسم کو ڈھک لے) نہیں ہے تو ارشاد نبوی ہوا کہ لِتُلْبِسَھَا اُخْتَھَا مِنْ جِلْبَابِھَا (اپنی بہنوں کو اپنے جلباب میں کرلیا کرو)۔ اس سے یہ بھی عیاں ہو گیا کہ پردہ کے حکم کے بعد صحابیات بغیر حجاب کے نہیں نکلتی تھیں۔

اللہ تعالی نے مردوں اور عورتوں دونوں کو غض بصر کا حکم دیا ہے۔ غض کے معنی کسی چیز کو کم کرنے یا گھٹانے یا پست کرنے کے ہیں اور بصر کے معنی نگاہ ہیں۔ یعنی اپنی نگاہیں نیچی رکھو! سورۃ النور کی آیت ۳۱ میں عورتوں کو اپنی نظریں نیچی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے: وَقُلْ لِّلْمُؤمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِھِنَّ وَیَحْفَظْنَ فُرُوجَھُنَّ وَلَایُبْدِینَ زِینَتَھُنَّ اِلَّامَاظَھَرَ مِنْھَا وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِھِنَّ عَلٰی جُیُوبِھِنَّ وَلَایُبْدِینَ زِینَتَھُنَّ (اور مؤمنہ عورتوں سے کہو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کی چیزوں کا اظہار نہ کریں مگر جو ناگزیر طور پر ظاہر ہو جائے اور اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیاں رکھ لیا کریں اور اپنی زینت کا اظہار نہ ہونے دیں)۔ ساتھ ہی ساتھ اسی سورہ کی آیت ۳۰ میں مردوں کو بھی نظریں نیچی رکھنے کی تلقین کی گئی ہے: قُلْ لِّلْمُؤمِنِینَ یَغُضُّوا مِنْ اَبْصَارِھِمْ وَیَحْفَظُوا فُرُوجَھُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰی لَھُمْ (مؤمنوں کو ہدایت کرو کہ اوہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی پردہ پوشی کریں۔ یہ طریقہ ان کے لیے پاکیزہ ہے)

حدیث میں ہے کہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ اور حضرت میمونہؓ نبی اکرم ﷺ کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں کہ حضرت ابن مکتومؓ آ گئے جو نابینا تھے۔ نبی ﷺ نے دونوں کو حکم دیا کہ اِحْتَجِبَا مِنْہُ (ان سے پردہ کرو)۔ دونوں نے عرض کیا: یَا رَسُولَ اللّٰہ! اَلَیسَ اَعْمٰی لَایُبْصِرُنَا وَلَایَعْرِفُنَا (یارسولؐ

اللہ! کیا یہ اندھے نہیں ہیں؟ نہ ہمیں دیکھیں گے اور نہ پہچانیں گے)۔ آپؐ نے فرمایا: اَفَعَمْیَا وَانِ اَنْتَمَاءَ اَلَستُمَا تُبصِرَانِہٖ (کیا تم دونوں بھی اندھی ہو؟ کیا تم انھیں نہیں دیکھتیں؟)۔ حضرت ام سلمہؓ تشریح کرتی ہیں کہ یہ واقعہ اس زمانے کا ہے جب پردے کا حکم آچکا تھا۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد)

آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ آدمی اپنے تمام حواس سے زنا کرتا ہے۔ دیکھنا آنکھوں کا زنا ہے، لگاوٹ کی بات چیت زبان کا زنا ہے، آواز سے لذت لینا کانوں کا زنا ہے، ہاتھ لگانا اور ناجائز مقصد کے لیے چلنا ہاتھ پاؤں کا زنا ہے۔ بدکاری کی یہ ساری تمہیدیں جب پوری ہوچکتی ہیں تب شرمگاہیں یا تو اس کی تکمیل کردیتی ہیں یا تکمیل کرنے سے رہ جاتی ہیں (بخاری، مسلم، ابوداؤد)

دین سے دوری

آج کل کے مسلمان ایک شاندار زندگی گزارنا چاہتے ہیں جس کی خاطر وہ اپنی شریعت کو بھی قربان کرنے کے لیے تیار ہوگئے ہیں۔ قرآن کو پڑھنے، سمجھنے اور اس پر عمل کرنے سے قاصر ہیں۔ اس وجہ سے ہماری عورتیں اسلامی شریعت کے اصولوں سے کوسوں دور ہیں۔ ہمارے سماج میں یہ غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے کہ قرآن کو پڑھ کر سمجھنا اور دوسروں کو سمجھانا صرف مولویوں کا کام ہے؛ حالانکہ سورۃ البقرۃ کی دوسری آیت میں اللہ تعالی نے واضح کردیا ہے: ذٰلِكَ الكِتَابُ لَارَيبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ (یہ اللہ کی کتاب ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ سراسر ہدایت ہے پرہیزگاروں کے لیے)۔ ایسے لوگوں کے ذہن میں اس بات کو بٹھانا چاہیے کہ قرآن کو پڑھنا، سمجھنا، اس پر عمل کرنا ہر مسلمان پر انفرادی طور پر فرض ہے نہ کہ کسی مولوی پر۔ یہ بہانہ کہ قرآن مجید عربی میں نازل کیا گیا ہے اور ہمیں عربی سے واقفیت نہیں؛ بے بنیاد ہے؛ کیوں کہ آج کل قرآن مجید کے ترجمے اور تفسیریں دنیا کی زبانوں میں شائع ہوچکے ہیں جن سے آسانی سے استفادہ کرسکتے ہیں۔

مردوں اور عورتوں کا ناجائز اختلاط

آج کل اسکولوں میں مخلوط تعلیم اور ایسے یونیفارم کو رواج دیا جارہا ہے جس میں نصف برہنگی کے ساتھ بے حیائی بھی عیاں ہے۔ مخلوط تعلیم اور بے حیائی کے لباس پر اعتراض کرنے والوں کو دقیانوسی اور قدامت پسند کا لقب دیا جاتا ہے اور ان کا بے ہودہ مذاق اڑایا جاتا ہے۔ ایسے ماحول میں تعلیم پانے والے بچے کالج اور یونیورسٹی پہنچنے تک مکمل بے حیائی کے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں اور آگے چل کر حیاسوزی اور فحاشی کے وہ مناظر سامنے آتے ہیں کہ انسانیت اور شرم وحیا سر پیٹ کر رہ جاتے ہیں۔

آج کل ہمارے مسلمان بھائی اپنی بیٹیوں کو اعلی تعلیم دلانے کی غرض سے مخلوط تعلیم دیتے

ہیں۔ کچھ لوگ بچوں اور بچیوں کی اعلیٰ تعلیم کے لیے امریکہ، کینڈا یا انگلستان بھیج دیتے ہیں، جہاں ان کی دینی اور دنیوی رہنمائی نہیں ہوتی۔ شر پسند لڑکے، لڑکیوں کو اپنی محبت کے جال میں پھنسا لیتے ہیں اور معاملہ شادی کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔ اگر والدین ان کی شادی پر رضامند نہیں ہوئے تو وہ گھر سے بھاگ کر شادی کر لیتے ہیں یا خودکشی کر لیتے ہیں۔

کچھ عورتیں مجبوری یا فیشن کی بنا پر مردوں کے شانہ بشانہ اداروں میں کام کرتی ہیں۔ اس اختلاط سے ان کی زندگی پر کافی برا اثر پڑتا ہے۔ افسر صاحبان ان کا جنسی استحصال کیا کرتے ہیں اور اگر عورت انکار کرے تو انھیں بے عزت کر دیتے ہیں۔ فیشن پرست خواتین اپنے ساتھیوں اور افسروں کے ساتھ میٹنگ یا ادارہ کی دعوتوں میں شریک ہوتی ہیں اور اپنے ساتھیوں اور افسروں کے ساتھ کھلم کھلا گفتگو اور ہنسی مذاق کیا کرتی ہیں یا ان کے ساتھ بے خوفی سے ڈانس کرتی ہیں جس کا انجام بہت ہی بھیانک ہوتا ہے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ اور حضرت فاطمۃ الزہراؓ اپنے حجاب میں مردوں کو تعلیم دیا کرتی تھیں۔ حضرت فاطمۃ الزہراؓ حجاب کی سخت پابند تھیں اور اپنی پسند کے مطابق جنازہ بنوایا جس پر کسی مرد کی نگاہ نہ پڑے؛ مگر صد افسوس کہ ان صحابیات کی مثالوں پر ہماری خواتین غور کرنے اور عمل کرنے سے قاصر ہیں۔

یہ بے حد شرناک بات ہے کہ ہمارے معاشرے میں محرم اور نامحرم کی تمیز ختم ہوگئی ہے، لڑکیاں اپنے نامحرم کزنس کے ساتھ اور اپنے دیور یا جیٹھ کے ساتھ بڑے فخر کے ساتھ گھل مل جاتی ہیں اور بازار وغیرہ میں ساتھ ساتھ گھومتی رہتی ہیں؛ مگر اس بات سے نادان ہیں کہ اسلام نامحرم کے ساتھ مخلوط رہنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اس سے سخت اجتناب کرنا چاہیے۔

حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے دیور یا شوہر کے غیر محرم رشتہ دار کے متعلق پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اَلْحَمُو الْمَوتِ (شوہر کے رشتہ دار موت کی مانند ہیں) (یعنی ان سے دور رہنا ضروری ہے)۔ لہٰذا ہر مسلمان پر اپنے دین اور اپنی عزت وآبرو کی حفاظت لازم ہے، (مجلة البحوث الاسلامية ۱۹، ۱۳۸)

مغربیت کی تقلید اور فیشن پرستی

اب مغربی تہذیب کے مادی غلبہ کا زمانہ ہے اور اس کی تشکیل میں عورت کا جو کردار غالب رہا ہے، اس نے اسے بازاری روش پر جنس برائے فروخت بنا دیا ہے۔ وہ نہ ماں رہی، نہ بیٹی رہی، نہ

بہن رہی اور نہ بیوی رہی۔ مغربی تہذیب کے پروردہ پھر بھی مصر ہیں کہ عورت کے بے کردار نمونہ کو ہی فروغ ملے۔ مسلمان عورت کا نمونہ مکروہ بتایا جارہا ہے۔ مسلمان کے تار و پود بکھیرے جارہے ہیں اور مسلمان کے رشتے تباہ کیے جارہے ہیں۔ مسلمان عورت کے پردہ کو رکیک کیا جارہا ہے۔ امریکہ، یورپ اور ان کے حواریوں کا پورا زور ہے کہ لڑکیوں اور عورتوں کو عریاں کرکے مخلوط سوسائٹی کی رونق بنادیا جائے۔ اسلام میں پردہ کے حکم کو عورتوں پر بڑے ظلم کرنے کا الزام لگارہے ہیں۔ سماجی تفریح کے نام پر تشدد، سنسنی خیزی، بے شرمی، عریانیت اور بے حیائی کو پھیلایا جارہا ہے اور ہم اخلاقی اقدار کو کھورہے ہیں۔ اور انسانیت کی اعلیٰ اقدار کو اپنے پیروں تلے روندتے چلے جارہے ہیں۔ آج سب سے بڑا چیلنج حجاب ہے۔

مغربی طرز زندگی کی تقلید میں ہماری عورتیں برقعہ پہننا اور پردہ کرنا تو درکنار؛ بلکہ ڈوپٹہ کو صرف گلے کی زینت بنارکھی ہیں۔ کچھ خواتین فیشن میں اتنی سبقت لے جاتی ہیں اور برقعہ اتنا تنگ سلاتی ہیں کہ ان کے اعضاء باہر نظر آتے ہیں۔ جو عورتیں اداروں میں مخلوط طور پر کام کررہی ہیں غیر مردوں کے ساتھ مروت کے بہانے ملنا، بات چیت کرنا، ان کے ساتھ ہنسی مذاق کرنا، ان کے ساتھ ریسٹورانٹس میں کھانا پینا ایک فیشن سمجھ لیتی ہیں؛ مگر اس بات سے نادان ہیں کہ اسلام میں سختی کے ساتھ ممانعت ہے۔ اللہ ایسی خواتین کو نیک ہدایت دے! آمین! پہلے عورت کو کسی کے سامنے بے پردہ آنے سے حیا آتی تھی؛ مگر اب پردہ کرنے پر نہایت شرمندگی محسوس کرتی ہے۔ آج عورتوں کی بڑی تعداد بازاروں اور سنیما ہال میں ڈوپٹے کے بغیر اپنی ترقی پسندی کا مظاہرہ کرتی پھرتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: عورت سراپا پردہ ہے۔ جب وہ (بے پردہ) نکلتی ہے تو شیطان اس کو جھانکتا ہے۔ یعنی شیطان کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کو اس بات پر ابھارے کہ وہ اس عورت کو دیکھ کر بدنظری اور دیگر گناہوں میں مبتلا ہوں۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دو جہنمی گروہ ایسے ہیں جن کو اب تک میں نے نہیں دیکھا ہے۔ ایک تو وہ لوگ جن کے پاس گائے کے دم کی طرح کوڑے ہوں گے جن کے ذریعے وہ لوگوں کو ماریں گے۔ دوسری وہ عورتیں جو لباس پہنے ہوئے بھی ننگی ہوں گی۔ (نامحرم مردوں کو) اپنی طرف مائل کرنے والی ہوں گی۔ اور خود بھی (ان کی طرف) مائل ہوں گی۔ ان کے سر بختی اونٹوں کے جھکے ہوئے کوہانوں کی طرح ہوں گے۔ ایسی عورتیں نہ جنت میں داخل ہوں گی اور نہ ہی جنت کی خوشبو سونگھیں گی؛ حالانکہ جنت کی خوشبو تو اتنی اتنی دور سے سونگھی جاتی ہے۔ لباس پہننے کے باوجود ننگی

ہونے کا مطلب یہ ہے کہ لباس اس قدر چھوٹا ہوگا کہ اس میں ستر نہ چھپ سکے گا۔ یا اس قدر چست ہوگا کہ جس سے جسم کی ہیئت ظاہر ہوگی، یا اس قدر باریک ہوگا کہ جسم نمایاں ہوتا ہوگا۔ (صحیح مسلم، حدیث نمبر ۳۹۷۱)

بے حیائی کے فروغ میں میڈیا کا کردار

آج کے دور میں میڈیا کے ذریعے نوجوان نسل کو ہر طرح سے تباہ کیا جارہا ہے۔ ان میں بے حیا کارٹونز بھی سرفہرست ہیں۔ کارٹونز کے لباس بے حد بے ہودہ ہوتے ہیں۔ آج کی نسل انہی کارٹونز کو اپنا ائیڈیل بناتی ہے۔ آج میڈیا پر کوئی اشتہار ایسا نہیں ہے جس میں عورت کو ماڈل بنا کر پیش نہ کیا گیا ہو اور اس کو نیم برہنہ نہ بتایا گیا ہو۔ سب سے حیرانی اس بات کی ہے کہ جب میں ۱۹۷۸ء میں سعودی عرب میں سعودی آرامکو میں ملازم ہوا تھا اس وقت سعودی عرب کے کسی بھی اخبار میں کسی عورت کی تصویر شائع نہیں ہوتی تھی؛ مگر اب وہاں بھی عورت کو مغرب کی طرح اشتہار میں شامل نہ کرنا اخبار اور رسالوں کی توہین سمجھی جاتی ہے۔

سب سے بڑی شرمناک خبر یہ ملی ہے کہ سعودی عرب میں تھیٹر کھل گئے ہیں جن میں ویلنٹائینس ڈے وغیرہ کی طرح مغربی رسوم منائے جاتے ہیں۔ یہاں پر مرد وعورتوں کا اختلاط ہوتا ہے، جس میں سعودی اور مغربی مرد وخواتین ایک ساتھ ناچ گانے سے لطف اندوز ہوتے ہیں انھوں نے اپنی شرم و حیا کو طاق پر رکھ دیا ہے۔

اس کے علاوہ ہندوستان میں ایک ہی عمارت میں کئی مذاہب کے لوگ رہتے ہیں۔ پڑوس کے حقوق کے سلسلے میں ہمارے مسلمان بھائی مروت کی خاطر ان کے رسوم میں شرکت کرتے ہیں۔ عیسائیوں کے ساتھ نیا سال، کرسمس، ویلنٹائینس ڈے، ہندوؤں کے ساتھ دیوالی یا ہولی میں، پنجابیوں کے ساتھ بھنگڑا ڈینس میں، گجراتیوں کے ساتھ بھاکڑا ڈینس میں شریک ہوتے ہیں اور لطف اندوز ہوتے ہیں۔ ایسے موقعوں پر اپنی شریعت کو یا تو وہ بالکل ہی بھول جاتے ہیں یا نظر انداز کردیتے ہیں۔

اس کے علاوہ عورتوں کا خوشبو لگا کر مردوں کے پاس جانے سے منع کیا گیا ہے۔ نسائی اور ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا: جو عورت خوشبو لگا کر مردوں کے پاس سے گزرتی ہے تاکہ وہ خوشبو سے لطف اندوز ہوں؛ وہ زانی ہے۔

انٹرنیٹ، موبائل فون، فیس بک، لینکڈ ان، انسٹاگرام کا وبال

انٹرنیٹ، موبائل فون، فیس بک، لینکڈ ان، انسٹاگرام وغیرہ آج کے دور میں علمی معلومات کے

لیے بہت ہی اہم اور مفید آلات ہیں؛ مگر ان کا غلط استعمال خصوصاً نوجوانوں پر بہت ہی خطرناک ثابت ہوتا ہے۔ ان آلات کی وجہ سے لڑکے اور لڑکیاں اپنا تبادلۂ خیال کرتے ہیں؛ بلکہ اپنی تصویریں بھی ایک دوسرے سے تبادلہ کرتے ہیں۔ پہلے پہل ان آلات پر رابطہ قائم ہوتا ہے پھر روبرو ملاقات کی شکل اختیار کرتا ہے اور انتہائی بربادی کو پہنچ جاتی ہے۔ ہمارے مسلمانوں سے یہ التجا ہے کہ وہ اپنے بچوں پر ان آلات کے استعمال پر کڑی نظر رکھیں؛ تاکہ انہیں جہنم کے عذاب سے بچاسکیں۔

مسلم لڑکیوں کا ارتداد

اس وقت پورے ہندوستان میں آر ایس ایس کی تنظیموں کے ذریعہ مسلم لڑکیوں کو مختلف ہتھکنڈے استعمال کرکے غیر مسلم لڑکوں سے شادی پر اکسایا جارہا ہے۔ اس مہم میں لڑکوں کو خطیر رقم دی جاتی ہے؛ تاکہ وہ لبھائے، محبت کے جال میں پھنسائے اور اپنے بستر تک لے جانے میں کامیاب ہوجائے۔ ایسے واقعات دن بدن بڑھتے جارہے ہیں۔ اس طرح لڑکیوں کو مسلم سے غیر مسلم بنایا جاتا ہے کہ مستقبل میں مسلمانوں کی آبادی آہستہ آہستہ ختم ہوجائے۔ ہماری لڑکیاں اس جال میں پھنسنے کے اسباب علم سے دوری، لڑکوں اور لڑکیوں کا ناجائز اختلاط، انٹرنیٹ، فیس بک، لینکڈ این وغیرہ کا غلط استعمال ہے۔

شادی میں فضول خرچی

جہیز کا ناسور غیر مسلموں سے مسلمانوں کے دلوں میں گھر کر گیا ہے۔ جس کی وجہ سے غریب ماں باپ کو اپنی بیٹیوں کی شادی کرنے میں بہت سی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ لڑکیوں کی شادی میں تاخیر کرنے سے لڑکیاں کنواری رہ جاتی ہیں اور وہ زنا کاری کے گڑھے میں ڈھکیل دیے جاتے ہیں۔

سونے پر سہاگہ یہ ہے کہ بعض لوگ معاشرے میں اپنی شان وشوکت قائم رکھنے کے لیے بڑے بڑے شادی کے ہال منتخب کرلیتے ہیں اور دولت کو پانی کی طرح لٹاتے ہیں۔ ان معاملات کے لیے بہت بڑے قرض کے بوجھ تلے دب جاتے ہیں۔ گہرائی سے مطالعہ کرنے پر اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ آج کل زنا شادی کے معاملے میں بہت سستا پڑ گیا ہے۔

عورت کی امامت کا فتنہ

ہمارے ملک کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ایک مسئلہ کھڑا ہوا۔ کیرلا سے تعلق رکھنے والی خاتون حمیدہ کو استعمال کرکے عورت کی امامت کا فتنہ کھڑا کیا گیا۔ ۲۶ جنوری ۲۰۱۷ء کو جمعہ کے دن کیرلا کے مسلم

اکثریتی علاقے ملاپرم میں ۳۴ سالہ خاتون جو قرآن وسنت سوسائٹی کی صدر بتائی گئی ہے، سوسائٹی کے دفتر میں جمعہ کی نماز میں مردوں کی امامت کی، جس کے بعد سوشل میڈیا پر ایک ہنگامہ کھڑا ہوا۔ حمیدہ پیشے سے ٹیچر ہے، ایک منکر حدیث، بددین اور زندیق قسم کی خاتون ہے۔ یہ جس قرآن وسنت نامی سوسائٹی سے وابستہ ہے اس کے بانی پی کے محمد ابوالحسن چکنور مولوی تھے۔ یہ عربی کے اسکالر تھے اور ابتداء ہی سے منکر حدیث تھے۔ وہ صرف قرآن کو مانتے تھے اور حدیثوں کا انکار کرتے تھے۔ حمیدہ کے جمعہ کی نماز کی امامت کے مسئلہ کو بنیاد بنا کر فرقہ پرستوں کی جانب سے پروپیگنڈہ کیا جانے لگا کہ اسلام خواتین کے ساتھ مساوات نہیں کرتا اور صنفی تفریق کو ہوا دیتا ہے۔ مولانا عبدالحمید نعمانی کا قول ہے کہ جمعہ کی امامت کا مرد اور عورت کے مساوی حقوق سے کوئی تعلق نہیں ہے؛ بلکہ دونوں کا تعلق الگ الگ دائرۂ کار سے ہے۔ اسلام میں عورت پر نہ جماعت ضروری ہے اور نہ جمعہ۔ اگر عورت کو عبادات سے روکا جائے تو یہ دوسرا مسئلہ ہوگا۔

عورتوں کا مردوں کی جماعت کی امامت باتفاق ائمہ اربعہ ناجائز ہے۔ مردوں کے لیے عورتوں کی امامت کے حامی حضرات بالعموم حضرت ام ورقہ بنت عبداللہ بن حارث بن نوفل انصاریہ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں جس کی تفصیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان سے ملنے کے لیے ان کے گھر تشریف لے جاتے تھے اور آپؐ نے ان کے لیے مؤذن مقرر کیا جو ان کے لیے اذان دیتا تھا اور آپؐ نے ان کو حکم دیا کہ وہ اپنے گھر والوں کی امامت کریں۔ (سنن ابی داؤد، ۸۷)۔ ابن ماجہ کی روایت میں آپؐ نے فرمایا: أَخِّرُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَخَّرَهُنَّ اللّٰهُ (عورتوں کو پیچھے رکھو جیسے اللہ نے ان کو پیچھے رکھا ہے)

کسی نے واٹس اپ میں ایک پوسٹ لکھا ہے جو آج کی مغربی تقلید کے خواتین کی وضاحت کرتا ہے۔ ان صاحب نے لکھا ہے: عورت نے خود کی عزت کا تماشا بنایا ہوا ہے۔ عورت کوٹھے پر ناچے تو اسے مجرا کہتے ہیں، گورنمنٹ کے کہنے پر ناچے تو یوتھ فیسٹیول، تعلیمی اداروں کے کہنے پر ناچے تو ویلکم پارٹی، درباروں مزاروں پر ناچے تو بھنگڑا دھمال، شادی بیاہ پر ناچے تو خوشی۔ انہی پانچ صورتوں میں عورت نے خود کی عزت کا تماشا بنایا ہوا ہے۔ بس اللہ ہی ہماری خواتین پر رحم کرے۔ آمین

ہمیں چاہیے کہ عورت کے ان مسائل پر غور کریں اور اپنے خواتین کو دینی معلومات سے مستفید کرکے ان کے مستقبل کو روشن کرنے کی کوشش کریں اور ان کی عاقبت سنوارنے میں ان کی مدد

کریں۔ میں اللہ تعالی سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تمام خواتین اسلام کو نیک ہدایت دے، گمراہی سے دور کرے، دینی شریعت سے سرفراز فرمائے، ان کے راستے کی ساری دقتوں کو دور کرے اور انھیں ہر شر اور فتنہ سے محفوظ رکھے! آمین ثم آمین!

* * *

حواشی:

۱- عالمی یوم خواتین از محمد اشرف علی رشادی۔ روزنامہ سالار بتاریخ ۸/مارچ ۲۰۲۳ء
۲- خواتین کے لیے چند احکام وآداب۔ روزنامہ سالار، بنگلور بتاریخ ۲۳/ستمبر ۲۰۲۳ء
۳- عورت اور جدید تہذیب از نجیب زہری۔ سہ روزہ دعوت بتاریخ ۲۲/مارچ ۲۰۱۹ء
۴- عورت ہونا گناہ ہے از ریاض فردوسی، روزانہ سالار، بنگلور، بتاریخ ۱۶/فروری ۲۰۲۳ء
۵- عورت کا ہر روپ قابل احترام ہے۔ اردو ٹائمز بتاریخ ۲۴/اکتوبر ۲۰۲۳ء
۶- عورت مشرقی روایات کی زد میں۔ مسلم خواتین معاشرے میں وسیع تر رول ادا کرنے کے قابل بنیں۔ از سہیل بشیر کار، بارہمولہ، کشمیر۔ ہفت روزہ دعوت بتاریخ ۸ تا ۱۴/ مئی ۲۰۲۲ء
۷- عورت اور حیا۔ لازم وملزوم۔ از فرحی نعیم۔ سہ روزہ دعوت بتاریخ ۱۶/ستمبر ۲۰۱۸ء
۸- عورت کی امامت کا شوشہ، آر ایس ایس کی ایک اور شر انگیزی از مولانا سید احمد ومیض ندوی۔ سہ روزہ دعوت بتاریخ ۱۰/ فروری ۲۰۱۷ء
۹- کیا ہمارا معاشرہ ترقی نسواں میں رکاوٹ ہے؟ از اسحاق جیلانی۔ سہ روزہ دعوت بتاریخ ۷/اپریل ۲۰۱۶ء
۱۰- خواتین پر مظالم کا یہ سلسلہ کب رکے گا؟ از عارف عزیز، بھوپال، سہ روزہ دعوت بتاریخ ۱۹/اپریل ۲۰۱۴ء
۱۱- بکھرتے خاندان کی وجوہ اور اصلاح کی تدابیر۔ از ابوصادق۔ سہ روزہ دعوت بتاریخ ۱۹/اگست ۲۰۱۷ء
۱۲- حیا: عورت کا سب سے قیمتی زیور از شگفتہ احرار۔ سہ روزہ دعوت
۱۳- حیا: اہل مغرب ہم سے ہمارا خلق چھیننے کے درپے ہیں از قدسیہ ملک۔ سہ روزہ دعوت بتاریخ ۲۵/فروری ۲۰۱۹ء
۱۴- حیا، معاشرے کا ستون از ثوبیہ سرفراز۔ سہ روزہ دعوت بتاریخ ۲۸/اکتوبر ۲۰۱۳ء
۱۵- حقوق نسواں، رحمت عالمؐ کے ارشادات اور کردار کی روشنی میں۔ از ڈاکٹر مرضیہ عارف۔ سہ روزہ دعوت بتاریخ ۲۵/نومبر ۲۰۱۶ء
۱۶- عفت وپاک دامنی قرآن وحدیث کے تناظر میں۔ از عتیق الرحمٰن صدیقی۔ سہ روزہ دعوت بتاریخ ۷/جولائی ۲۰۱۱ء
۱۷- مسلم لڑکیوں میں پھیلتا ارتداد۔ از مفتی محمد ثناء اللہ قاسمی۔ روزنامہ رابطہ ٹائمس بتاریخ ۲۷/اگست ۲۰۲۱ء
۱۸- عورت اور تحریک آزادی نسواں۔ از شگفتہ احرار فلاحی۔ سہ روزہ دعوت بتاریخ ۷/دسمبر ۲۰۱۵ء
۱۹- بے پردگی کے نقصانات۔ از مولانا شفیق احمد قاسمی، ریاض۔ ماہنامہ دارالعلوم۔ جولائی، اگست ۲۰۱۳ء
۲۰- عورت کا مقام۔ تاریخ عالم اور اسلام کے تناظر میں۔ از مولانا محمد توقیر رحمانی۔ ماہنامہ دارالعلوم فروری مارچ ۲۰۲۵ء

* * *

شادی میں فضول خرچی غریب کے لیے عذاب

از: مفتی احمد عبیداللہ یاسر قاسمی
خادم تدریس ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد

آج کے معاشرے میں شادی جیسا مقدس اور آسان فطری عمل، فضول خرچی دکھاوا، اور رسم و رواج کی بھاری زنجیروں میں جکڑ کر ایک ایسا بوجھ بن چکا ہے جو نہ صرف والدین کی کمر توڑ دیتا ہے؛ بلکہ نوجوانوں کی زندگیوں میں بھی تاخیر، ذہنی دباؤ اور بسا اوقات گناہوں کی راہیں کھول دیتا ہے۔ نکاح کو آسان اور زنا کو مشکل بنانے کا جو اسلامی تصور ہے، وہ آج ہماری تہذیبی پستی اور معاشرتی نمائشی کلچر کی نذر ہوتا جارہا ہے۔ شادی کے نام پر لاکھوں روپے صرف مہنگے شادی ہالز، لباس، ویڈیو گرافی، جہیز اور مہمان نوازی میں لٹائے جاتے ہیں؛ جب کہ نکاح جو کہ دو گواہوں کی موجودگی میں ایک سادہ اعلانِ نکاح سے مکمل ہوسکتا ہے، اب ایک ''تقریبِ نمائش'' میں بدل چکا ہے۔ المیہ یہی ہے کہ اگر کوئی جوڑا خلوصِ نیت سے سنت کے مطابق سادہ نکاح کا ارادہ کرے تو اُسے طعن و تشنیع، طنز و تمسخر، اور معاشرتی دباؤ کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ گویا اب شریعت پر عمل کرنا ''معاشرتی جرم'' بن چکا ہے۔

نکاح ایک عبادت اور دنیا و آخرت کی بھلائی کا ذریعہ

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے نکاح کو اپنی نشانیوں میں سے ایک نشانی قرار دیا:

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ اَنفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا، وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً (الروم:۲۱)

ترجمہ: ''اور اللہ کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے لیے تم ہی میں سے بیویاں پیدا کیں؛ تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو، اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت رکھ دی''۔

رسول اللہ ﷺ نے نکاح کو اپنی سنت قرار دیتے ہوئے فرمایا: "النِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِي" (ابن ماجہ)
یعنی: ''نکاح میری سنت ہے''۔

نکاح ایک ایسا بابرکت عمل ہے جو انسان کو دنیاوی فتنوں، نفسانی خواہشات، اور شیطانی راہوں

سے محفوظ رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نوجوانوں کو نکاح کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: "یَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ، مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ، فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ". (بخاری ومسلم)

یعنی: ''اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو نکاح کی استطاعت رکھتا ہو وہ نکاح کرے؛ کیونکہ یہ نظر کو نیچے رکھنے اور شرمگاہ کی حفاظت کا ذریعہ ہے''۔

نکاح میں سادگی؛ برکت کا ذریعہ

اسلام نے نکاح کو سنت قرار دیا؛ مگر اس سنت کی ادائیگی کے نام پر آج معاشرے میں ایسے ایسے کام انجام دیے جارہے ہیں جو واضح طور پر فرائض وواجبات کی پامالی اور شریعت سے کھلا انحراف ہیں۔

جہیز کے مطالبے پر والدین قرض میں ڈوب جاتے ہیں، شادی ہالز میں مہنگی محفلوں پر زکوٰۃ کی رقمیں اور حج کی بچتیں خرچ ہو جاتی ہیں، بے پردگی، موسیقی، اختلاط اور اسراف عام ہو جاتا ہے؛ گویا ایک سنت کو ادا کرنے کے نام پر اللہ کے کئی احکام روند دیے جاتے ہیں، جب کہ تاجدار دوعالم ﷺ نے فرمایا: "أَعْظَمُ النِّسَاءِ بَرَكَةً أَيْسَرُهُنَّ صَدَاقًا" (مسند احمد)

ترجمہ: ''عورتوں میں سب سے زیادہ بابرکت وہ ہے جس کا مہر سب سے آسان ہو''

ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: "خيرُ النكاحِ ايسرُهُ" (ابن حبان)

یعنی: ''بہترین نکاح وہ ہے جو آسان ہو''

امراء کی شاہانہ تقریبات معاشرتی دباؤ کا سبب

آج کل امراء اپنی شادی کی تقریبات کو عیش وعشرت کا مظاہرہ اور شان وشوکت کی نمائش کا موقع سمجھنے لگے ہیں۔ بارات کے لیے قیمتی گاڑیاں، بینڈ باجے، ہوٹلوں میں پرتکلف دعوتیں، مہنگے تحائف اور روشنیوں کے جھرمٹ میں نکاح جیسے مقدس فریضے کا حقیقی مقصد کہیں گم ہو جاتا ہے۔ یہ سب اسراف کی ایسی شکلیں ہیں جن پر وعید سنائی گئی ہے۔

ایسی تقریبات نہ صرف شرعی تعلیمات سے روگردانی کی مظہر ہیں؛ بلکہ معاشرے میں دکھاوے، حسد اور مقابلہ بازی کی فضا کو بھی جنم دیتی ہیں۔ جب امیر طبقہ اپنی تقاریب کو غیر معمولی طور پر پُرتعیش بناتا ہے تو متوسط اور نچلے طبقے کے لوگ بھی معاشرتی دباؤ میں آکر اپنی بساط سے بڑھ کر اخراجات کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، جس کا نتیجہ اکثر قرض، مالی مشکلات یا معاشرتی شرمندگی کی صورت میں سامنے آتا ہے۔

مزید برآں، ان تقریبات میں اکثر دینی حدود کی پامالی بھی دیکھی جاتی ہے: مرد وزن کا

آزادانہ اختلاط، موسیقی اور رقص، فحاشی کے مناظر اور قیمتی وقت کا غیر ضروری ضیاع۔ یوں نکاح، جو کہ ایک بابرکت عبادت ہے، محض تفریح، فیشن اور نمائش کا موقع بن کر رہ جاتا ہے، جہاں نہ دعا کی قدر باقی رہتی ہے، نہ نکاح کے مقاصد کا شعور۔

یہی اسراف جب معاشرتی دباؤ بن کر نچلے طبقے تک پہنچتا ہے تو غریب طبقہ بھی نکاح جیسے سادہ اور آسان عمل کو امراء کی شاہانہ تقریبات کی نقل میں بدل دیتا ہے۔ اپنی بساط سے بڑھ کر اخراجات، مہنگے جوڑے، پرتکلف دعوتیں اور روشنیاں اُس کے لیے بوجھ بن چکی ہیں۔ نتیجتاً قرض، سود اور حتیٰ کہ زکوٰۃ کی رقم تک شادیوں پر خرچ کی جارہی ہے۔ دکھاوا ایسا کہ سادگی کا جنازہ نکل چکا ہے اور سنت ایک تماشہ بن کر رہ گئی ہے۔

درحقیقت، اسراف کا یہ سلسلہ جب تک رُکے گا نہیں، معاشرے میں نکاح آسان ہونے کے بجائے مزید پیچیدہ ہوتا جائے گا، اور شریعت کی اصل روح گم ہوتی چلی جائے گی۔

قرآن وسنت میں اسراف کی مذمت

بیشک فضول خرچ لوگ شیطانوں کے بھائی ہیں۔

یعنی فضول خرچی کرنے والا شیطانی صفات کا حامل ہے۔ (سورۃ الاسراء: 27)

فضول خرچی نہ کرو، بے شک اللہ فضول خرچوں کو پسند نہیں کرتا۔ (سورۃ الانعام: 141)

کھاؤ، پیو، لیکن اسراف نہ کرو۔ (سورۃ الاعراف: 31)

ایک موقع پر نبی کریم ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو وضو میں زیادہ پانی استعمال کرتے دیکھ کر فرمایا: "مَا هَذَا السَّرَفُ يَا سَعْدُ"؟

حضرت سعد نے عرض کیا: کیا وضو میں بھی اسراف ہوتا ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: "نَعَمْ، وَإِنْ كُنْتَ عَلَى نَهَرٍ جَارٍ". (ابن ماجہ)

ترجمہ: ہاں، اگرچہ تم جاری نہر پر ہی کیوں نہ ہو۔

یعنی عبادت میں بھی اسراف منع ہے۔

لوگ کیا کہیں گے؟

جب عبادت جیسے مقدس عمل میں اسراف سے گریز لازم ہے تو دنیاوی معاملات، خصوصاً شادی جیسے نازک اور بابرکت رشتے میں اسراف کس طرح جائز ہوسکتا ہے؟ افسوس کہ آج ہم نے شادیاں معاشرتی نمائش اور فخریہ مظاہرے کا ذریعہ بنا دی ہیں۔ سادگی اور سنت کی پیروی کو فراموش کر کے دکھاوے کی دوڑ میں شامل ہو گئے ہیں۔ نتیجتاً، ایسے خاندانوں کی داستانیں جنم لے رہی ہیں جو اپنی

بیٹیوں کی شادیاں محض ''لوگ کیا کہیں گے'' کے تحت قرض اور معاشی تباہی کی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں۔

ایسا ہی ایک خاندان آج بھی قرض کے بوجھ تلے سسک رہا ہے، جس نے دس سال قبل صرف ایک دیڑھ لاکھ کا قرض لیا تھا؛ تاکہ بیٹی کی شادی شایانِ شان ہو؛ مگر یہ قرض آج دس لاکھ کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ ماہانہ آمدنی صرف سود اور قسطوں میں ختم ہو جاتی ہے، زندگی کی بنیادی ضروریات بھی پوری نہیں ہو پاتیں اور سکون نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہی۔

اس سے واضح ہے کہ فضول خرچی نہ صرف اللہ کی نافرمانی ہے؛ بلکہ معاشی تباہی کا راستہ بھی ہے۔

اجتماعی شعور اور مسنون نکاح تحریک

معاشرے میں شادیوں کے بڑھتے ہوئے اسراف، نمائشی تقاریب اور معاشرتی دباؤ کے طوفان کا مقابلہ محض انفرادی کوششوں سے ممکن نہیں۔ اس کے لیے ہمیں ایک ہمہ گیر اجتماعی شعور بیدار کرنا ہوگا۔ علماء، خطباء، اساتذہ، والدین اور معاشرے کے باشعور افراد کو چاہیے کہ وہ کھل کر اس رویے کے خلاف آواز بلند کریں۔ مدارس، مساجد، تعلیمی ادارے اور سوشل میڈیا جیسے ذرائع کو بروئے کار لاتے ہوئے یہ پیغام عام کیا جائے کہ سادہ نکاح شریعت کی پسندیدہ سنت اور معاشرتی نجات کا ذریعہ ہے؛ جب کہ فضول خرچی، دکھاوا اور رسومات معاشرتی بگاڑ کا سبب ہیں۔

ایسے حالات میں جب نکاح جیسے بابرکت عمل کو فیشن، رسومات اور غیر شرعی امور کی نذر کیا جارہا ہو، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی جانب سے ''مسنون نکاح تحریک'' کا آغاز نہایت خوش آئند اور بروقت قدم ہے۔ اس تحریک کے ذریعے معاشرے کو واپس اصل سنت کی طرف متوجہ کرنا ممکن ہے۔

اس اصلاحی مہم میں سب سے موثر کردار قاضی حضرات ادا کر سکتے ہیں۔ وہ اگر نکاح کی تقاریب کو مساجد میں منتقل کریں، سادگی اور سنت کی برکتوں کو واضح کریں، اور خاندانوں کو اعتماد کے ساتھ غیر ضروری رسومات سے بچنے کی تلقین کریں، تو بہت جلد معاشرتی فضا بدل سکتی ہے۔ اسی طرح، ائمہ وخطباء اپنے خطبات میں اس شعور کو اجاگر کریں اور سوشل میڈیا کو بھی اس اصلاحی جدوجہد کا ذریعہ بنائیں۔

یاد رکھیں! سادگی میں عظمت ہے اور نمائش میں ہلاکت۔ آج ہم نے اگر اس فکری انحراف کا راستہ نہ روکا، تو آنے والی نسلوں کے لیے نکاح ایک آسان عبادت کے بجائے معاشرتی تماشہ بن جائے گا۔

* * *

جنرل نالج: اہمیت وضرورت

از: مفتی سید آصف قاسمی
استاذ تاریخ، ادارہ کہف الایمان، ٹرسٹ، بورہ بنڈہ، حیدرآباد

یہ بدلتی ہوئی دنیا ہے؛ ملکی و عالمی سطح کی تبدیلیاں، نت نئی ایجادات وتحقیقات، سیاست و صنعت، صحت ومعیشت اور دیگر میدانوں کی تازہ معلومات یہ وہ چیزیں ہیں جن کی ہر انسان کو ضرورت ہوتی ہے، جنرل نالج سماجی زندگی کا حصہ ہے اور ان کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ صرف کتاب پڑھ لینے سے پورا حاصل نہیں ہوسکتا؛ بلکہ روزمرہ کی زندگی کا مطالعہ ضروری ہے، معلومات جدیدہ کے ساتھ ساتھ معلومات قدیمہ کا سہارا لینا بھی بعض مرتبہ ضروری ہوجاتا ہے۔

مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کو بھی معلومات عامہ اور جنرل نالج کی اشد ضرورت ہوتی ہیں؛ کیونکہ یہ اولاد کی مربیہ ہوتی ہیں، بچوں کی عملی ضروریات کی تکمیل اور ترقی میں معاون بنتی ہیں، معلومات عامہ میں مضبوطی کا ذریعہ بھی ہوتی ہیں، اگر یہ زمانے کے اتار چڑھاؤ، قدیم و جدید معلومات سے بے خبر رہے گی تو خود اور اولاد کا بے شمار نقصان کریں گی۔ مثلاً لفٹ اور چالان کے اصولوں سے ناواقف ہونا، سرکاری اسکیمات سے لاتعلق رہنا۔۔۔ وغیرہ۔

جنرل نالج کی تعریف

معلومات عامہ وہ ہے جس سے دنیاوی زندگی کے مختلف شعبہ جات کا علم ہمیں حاصل ہو۔

موضوع

کائنات عالم کے مختلف شعبہ جات۔

غرض وغایت

ضروریات زندگی میں ذاتی اعتماد، سہولت اور راحت۔

جنرل نالج کی اہمیت

جس طرح ہم سب کے لیے قرآن وحدیث سے واقف ہونا ازحد ضروری ہے اسی طرح ایک حدتک زمانے کے حالات اور اصطلاحات سے واقفیت بھی ضروری ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِی خَلَقَ" (العلق:1)

ترجمہ: ''پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔''

فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون.

معلوم نہ ہو تو اہل علم سے پوچھ لیا کرو۔

"قُلْ هَلْ يَسْتَوِی الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ" (الزمر:9)

ترجمہ: ''کہہ دو! کیا علم والے اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں؟''

خير الناس من ينفع الناس.

سب سے بہتر انسان وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہنچائے۔

فقہائے کرام فرماتے ہیں من جهل باهل زمانه / من لم يعرف باهل زمانه فهو جاهل. جو شخص اپنے اہل زمانے کی طرز زندگی، ان کی معاشرت معیشت اور معاملات وغیرہ سے واقف نہ ہو تو وہ جاہل ہے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

من لم يعرف احوال زمانه لم يجز الفتيا.

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میری جدید رائے یہ ہے کہ ڈاک خانہ ریلوے کے قواعد اور تعزیرات ہند کے قوانین مدارس اسلامیہ کے درس میں داخل ہونا چاہیے۔

مزید معلومات عامہ اپنی شہر آفاق کتاب بہشتی زیور میں بھی آپ نے نقل فرمایا۔

جنرل نالج کی چند قسمیں

ملکی وعالمی جغرافیہ۔

معروف مسلم غیر مسلم شخصیات۔

تمام شعبہ جات کے اصطلاحات مثلاً سیاسی عدالتی عسکری اور پارلیمانی وغیرہ۔

دنیا کے موجودہ حکمران۔

زمانے کے مختلف کھیل وغیرہ۔
عوامی خدمات۔ ریلوے بس سڑکیں
جسمانی خدمات۔ ڈاکٹرز، دوا، ٹیسٹ
تجارت ومعیشت، سیاست وحکومت۔

مدارس اسلامیہ میں جھول

دینی مدارس کا اولین مقصد اسلامی علوم وفنون کی حفاظت وہ اشاعت ہے، علوم دینیہ کی تعلیم و ترویج ہی ہے؛ لیکن مدارس سے وابستہ علماء وطلباء بھی اسی دنیا میں زندگی بسر کررہے ہیں اور وہ بھی سماجی زندگی کا ایک حصہ ہیں، موجودہ حالات کے تناظر میں مدارس کے نصاب و نظام کے اندر خارجیات (جغرافیہ، تاریخ، جنرل نالج وغیرہ) کو داخل نصاب کرنا چاہیے؛ تاکہ اہل علم طبقے کے اندر خوداعتمادی پیدا ہو اور دین کا جامع تصور اور مختلف شعبہ جات مثلاً شفاخانہ، یتیم خانہ، غیر سودی بینک کا نظام، رفاہی تنظیموں میں خدمت انجام دے سکیں، اسلام اور مسلمانوں کا ایک بہترین ترجمان بن سکیں۔ ہم وارثین انبیاء کو دینی تعلیمات کے ساتھ ساتھ دنیاوی معلومات بھی حاصل کرنا چاہیے، علوم دینیہ کے ساتھ ساتھ علوم عصریہ کی کم از کم اجمالی واقفیت سونے پہ سہاگہ کا مصداق ہے اور ایک کامیاب قائد اور علم دین حاصل کرنے والے کے لیے بھی جنرل نالج ضروری ہے؛ ورنہ دنیا ہمیں دنیوی اعتبار سے کمزور اور جاہل شمار کرے گی اور یہ نظریہ بھی بہت غلط ہے کہ جنرل نالج کو سب کچھ سمجھا جائے، نہ جاننے والے اور کم جاننے والے کو معیوب سمجھا جائے؛ حالانکہ ہم سب کو عصری تعلیم سے زیادہ دینی تعلیم کی ضرورت ہے۔

فوائد

سماجی، معاشی، قانونی سیاسی، فلکیاتی اور تکنیکی معلومات سے کئی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

انسان احساس کمتری کا شکار نہیں ہوتا، کسی بھی شعبے میں دوسرے کا محتاج نہ ہوگا، خوداعتمادی پیدا ہوگی، ضیاع وقت اس سے محفوظ رہے گا۔ دولت کا صحیح استعمال ہوگا۔ عوامی خدمات کا موقع ملے گا، کمزور کی رہبری ہوگی۔ ذلت اور شرمندگی سے حفاظت ہوگی۔

معلومات عامہ حاصل کرنے کے چند ذرائع

اخبارات ومیگزین

موجودہ زمانے میں اخبار روزانہ ہفتہ وار/ ماہانہ میگزینس حالات وواقعات سے واقفیت اور تازہ

ترین معلومات کا سب سے سستہ، آسان اور قابلِ اعتماد ذریعہ ہیں۔ جس میں مختلف موضوعات پر مضامین اور معلومات شائع ہوتے ہیں، مثلاً تعلیم وتربیت، صحت وعلاج، نفسیاتی وگھریلو مسائل، گھر داری، کھانے پکانے، گھر کی آرائش، سلائی کڑھائی وغیرہ ان اخبارات اور رسائل کے نظام سے ہم سب کو استفادہ کرنا چاہیے۔

الیکٹرانک میڈیا

یہ بات مسلم ہے کہ موجودہ دور الیکٹرانک میڈیا کا دور ہے اور مختلف قسم کے ٹی وی چینلوں اور نشریاتی اداروں نے لوگوں کے ذہن وفکر پر مضبوط منفی گرفت بنالی ہے اور سوچ میں تبدیلی اور معاشرتی وسماجی زندگی کے تانے بانے بدل ڈالے ہیں۔ لوگوں کے طرز زندگی، ان کی ضروریات، افکار وخیالات اور مذہبی رجحانات تک پر اس نے اثر ڈالا ہے؛ لیکن الیکٹرانک میڈیا کا ایک مثبت پہلو یہ بھی ہے کہ وہ ہمیں ملکی وعالمی تازہ ترین صورتحال سے واقف اور نئی نئی معلومات مہیا کرتا ہے۔

انٹرنیٹ

انٹرنیٹ موجودہ دور میں معلومات کے حصول کا تیز رفتار اور آسان ذریعہ ہے۔ ان لوگوں کے لیے جو کمپیوٹر سے واقفیت رکھتے ہیں، انٹرنیٹ معلومات قبیحہ اور معلومات حسنہ دونوں کا حامل ہے، فیصلہ ہمیں کرنا ہے۔

بہرحال! معلومات عامہ کے ذرائع اور بھی ہیں؛ لیکن بات وہی ہے کہ انسان کے اندر تڑپ، علم کا حرص ہو اور ہر وقت حصول علم کے لیے فکرمندی ہو۔

اللہ تعالیٰ ہمیں علم وعمل کی توفیق عطا فرمائیں اور ضروریات زندگی میں خودکفیل بننے کے اسباب عطا فرمائیں! آمین!

* * *